رجسٹرڈ انجمن ادبی رسائل پاکستان

فاران

کراچی

جلد: ۱۲

شمارہ: ۹

ترتیب، ماہ دسمبر سنہ ۱۹۶۰ء

نقش اول — ماہر القادری — ۲

مقتدی اور سورۂ فاتحہ — مولانا ظفر احمد عثمانی — ۸

ہماری نظر میں — ——— — ۴۹

ایڈیٹر

ماہر القادری

★

سالانہ

چھ روپے

فی پرچہ

آٹھ آنے

کتبہ: محمد ساجد

مقام اشاعت: دفتر فاران، کیمبل اسٹریٹ، کراچی نمبر ا

مطبوعہ مطبع سعیدی، کراچی

پرنٹر پبلشر: مسرور حسین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقش اول

کوئی فرد یا ادارہ ، اپنے مقاصد کے اعلان کے ساتھ [illegible] وہ اعلان کے ساتھ [illegible] علماء نہ بن
سے نکالنا ، شریف آدمیوں کا شیوہ نہیں ہے ، جو کوئی بھی زبان و ادب ، علم و اخلاق اور تہذیب و انسانیت کی جتنی خدمت کر رہا ہے ، وہ تعاون و تائید کا مستحق ہے ۔ اب رہیں کوتاہیاں تو انسانوں کے کاموں میں تھوڑی بہت کوئی نہ کوئی کسی نہ کسی طرح کوتاہیاں رہ ہی جاتی ہیں ، نقص و کوتاہی سے پاک صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کا کلام ہے !

جو حضرات باقاعدگی کے ساتھ " فاران " پڑھتے رہتے ہیں ، ان کو یہ بات معلوم ہے کہ تنقید یا احتساب کے معاملے میں ہم نے کسی خطرے اور اندیشہ کی پرواہ نہیں کی ، جس بات کو ہم نے اپنے نزدیک حق سمجھا اس کا اظہار کیا اور عمل کر کیا ، استعارہ و کنایہ سے جہاں کام لینا پڑا ہے ، وہاں بھی " حق " مشتبہ اور ذہن الجھنے نہیں پایا ۔

ادیبوں ، مصنفوں اور شاعروں کی حوصلہ افزائی ، فلاح و بہبود ، تعلیم اور علم و ادب کی ترویج و ترقی کے لئے " پاکستان رائٹرز گلڈ " کا قیام جن مقاصد کے اعلان و اظہار کے ساتھ عمل میں آیا ہے ، ان کی افادیت اور ضرورت سے کوئی صاحب نظر و خرد انکار نہیں کر سکتا ، ہم اس سلسلہ میں چند ضروری گزارشیں کرنا چاہتے ہیں ، یقین ہے کہ " رائٹرز گلڈ " کے ارباب حل و عقد اور دوسرے اہل قلم اور اہل فکر ہماری تحریر کو غور و توجہ کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں گے ۔

ایک " ادارہ " اس سادہ تصور کی بنیاد پر بھی وجود میں آسکتا ہے ، کہ اس کے سامنے شعر و ادب میں کسی خاص نظریہ کی حمایت اور کسی متعین مقصد کی تائید نہ ہو ، کوئی لکھنے والا اپنی تحریروں میں چاہے موسیقی کو جائز بتائے یا توحید کی تبلیغ کرے ، کسی ادیب و شاعر کا موضوع " اخلاقی قدریں " ہوں یا ہوسناک جذبات کی ترجمانی ، کسی کے قلم سے مادیت کی تراوش ہو یا روحانیت کی ، کوئی قلم کار دنیا کی نجات و فلاح اسلام میں سمجھتا ہو یا کمیونزم میں ، ——— اس " ادارہ " کو نظریوں کے ان اختلاف سے کوئی سروکار ہی نہ ہو ، وہ تو ہر تحریر کو خالص " زبان و ادب " کے معیار پر جانچے اور پرکھے گا ——— یہ کہ لکھنے والے کا انداز نگارش کیسا ہے ؟ جو خیال وہ پیش کرنا چاہتا تھا کیا وہ لفظوں میں ٹھیک طرح سے ظاہر ہو گیا ؟ تحریر میں سادگی ، تکلف ، آمد ، آورد ، شگفتگی ، خشکی ، ان میں سے کیا چیز کس تناسب کے ساتھ پائی جاتی ہے ؟ جو زبان استعمال کی ہے ، اس میں صحت کے ساتھ کتنا لوچ ملتا ہے ؟ لفظوں کا دروبست کیسا ہے ؟ خیال (IDEA) اور اظہار (EXPRESSION) میں کس قدر ربط اور ہم آہنگی ہے ؟؟

" ادب " کے بارے میں اس معیار و تصور کے خوب و ناخوب ہونے کی بحث چھیڑنے کا یہ موقع نہیں ہے ——— ہم عرض یہ کر رہے تھے کہ " ادب " کا یہ تصور کوئی شک نہیں بہت وسیع ہے ۔

——— مگر ———

افسوس ہے کہ ادب کے اس وسیع تصور کے ساتھ بہت زیادہ تنگی کا سلوک کیا جا رہا ہے، اور "ادب" کا عام طور پر اطلاق افسانہ ڈرامہ، شاعری اور ایسی اصناف سے متعلق تنقیدی مضامین پر کیا جاتا ہے، تاریخ، فلسفہ، سیرت نگاری، اور دین و اخلاق کے بارے میں ہمارے ناقدین نے کچھ ایسی فضا پیدا کر دی ہے، جیسے یہ علوم ادب کا موضوع ہی نہیں بن سکتے، اور ان موضوعات پر لکھنے والے کو عالم، مصنف اور مفکر تو کہہ سکتے ہیں، مگر "ادب" کی محفل میں اس کو وہ مقام نہیں دیا جا سکتا جو مقام ایک افسانہ نویس، ناول نگار اور ڈرامہ لکھنے والے کو دیا جاتا ہے۔

——— حالانکہ ———

جو حضرات "ادب" کے بارے میں وسیع تصور رکھنے کے دعویدار ہیں، ان کو لکھنے والوں کی تحریروں میں، کسی خاص نظریہ اور عقیدہ سے متاثر ہوئے بغیر یہ دیکھنا چاہئے کہ کس کے یہاں کس درجہ کی ادبیت پائی جاتی ہے، اور اسی "ادبیت" کے اعتبار سے کتابوں مضمونوں، مقالوں اور شاعری کے مجموعوں پر پست و بلند ہونے کا حکم لگانا چاہیے، ہو سکتا ہے کہ ایک افسانہ نگار نے اپنے افسانہ میں عورتوں کی بے باکی اور بے حجابی کی مزے لے لے کر چٹخارہ دار تفصیل پیش کی ہو، مگر اس میں اتنی "ادبیت" نہ پائی جائے جتنی "ادبیت" ایک ایسی تحریر میں ملتی ہو، جس میں لکھنے والے نے حجاب، عصمت اور اخلاق و غیرت کی عزت کی تلقین کی ہے۔

رنگین کاغذ اور کپڑے سے پھول پتیوں کا تراش دینا آسان ہے مگر سنگِ مرمر کو تراش کر اس سے پھول پتے بنانا بڑی محنت کاوش اور چابکدستی کا کام ہے، یہی فرق ہے ایک افسانہ اور ناول لکھنے والی کی تحریر اور ایک اس ادیب و قلم کار کی تحریر میں جس نے تاریخ و فلسفہ اور دین و اخلاق کو موضوعِ نگارش بنایا ہو!

قاضی عبدالغفار کے "لیلیٰ کے خطوط" میں زبان و ادب کا جو چٹخارہ پایا جاتا ہے، مولانا امین احسن اصلاحی کی کتاب "پاکستانی عورت دوراہے پر" میں اس سے کم ادبی لذت نہیں ملتی، مگر اس قدر ناشناسی، تنقید نگاروں کی بے خبری بلکہ ناانصافی کو کیا کہیے کہ مولانا موصوف کا نام ادیبوں کی فہرست اور تذکروں میں کہیں نظر نہیں آتا۔

مولانا سید سلیمان ندوی کے "خطباتِ مدراس" میں ادب کی کتنی لطیف چاشنی پائی جاتی ہے، مگر اردو زبان و ادب کے تذکروں اور تنقیدی مقالوں میں ان خطبات کا ذکر نہیں کیا جاتا ——— علامہ شبلی نعمانی کی "شعر العجم" اور "موازنہ انیس و دبیر" کا تو بہت شہرہ ہے اور ان کتابوں کو "ادبِ عالیہ" میں شمار کیا جاتا ہے، اور کوئی شک نہیں یہ کتابیں اس کی مستحق بھی ہیں۔ لیکن سیرت النبی، الفاروق اور الغزالی کو ادبی اعتبار سے شعر العجم اور موازنہ انیس و دبیر کے مقابلہ میں نہیں رکھا جاتا، شبلی اردو زبان و ادب میں تاریخ کا "معلمِ اول" ہے، اس کے قلم نے شعر و ادب کی تنقید ہی میں نہیں بلکہ تاریخ و فلسفہ کے میدان میں بھی پھول بکھیرے ہیں اور علم کلام کے نازک ترین مسائل کو زبان و ادب کے سلیس و شگفتہ پیرایہ میں پیش کیا ہے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی کتابیں اردو زبان و ادب کا گرانقدر سرمایہ ہیں، ان کا قلم گل فشاں ہی نہیں گہربار بھی ہے! کتنا دل نشین انداز بیان ہے، کس قدر جاذبِ توجہ طرزِ استدلال ہے، کیسے کیسے مشکل اور الجھے ہوئے مسائل ہیں، جنہیں مولانا مودودی نے کتنی سادگی اور سلجھاؤ کے ساتھ اردو زبان کے قالب میں ڈھال دیا ہے، ان کی مشہور و مقبول کتاب "پردہ" میں زبان کا کیسا چٹخارہ اور کتنی "ادبیت" پائی جاتی ہے، جہاں تک لطفِ بیان اور طرزِ ادا کا تعلق ہے، بڑے سے بڑے دلچسپ ناول اس کے آگے پھیکے اور بے رنگ نظر آتے ہیں ——— مگر زبان و ادب کی کتنی بڑی ٹریجڈی ہے کہ اردو ادب کے تذکرے اتنے بڑے ادیب اور عظیم قلمکار کے نام اور کام سے خالی نظر آتے ہیں۔

اس گزارش سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ہم ادب پر مولویوں اور مولاناؤں کو مسلط کر دینا چاہتے ہیں ، جہاں تک خالص علمی ادب کا تعلق ہے ، ہم نہ "مولاناؤں" کے حامی ہیں اور نہ "مسٹروں" کے طرفدار ہیں ! اس قسم کی جانب داری اور دھڑے بندی ادب کی توہین ہے ، ہم تو یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ چاہے کوئی "مولانا" ہو یا "مسٹر" ہو ، اُس کی تحریر کو زبان و ادب کے معیار پر جانچنا اور پرکھنا چاہیے ، کسی مولانا کی تحریر اس معیار پر پوری اترتی ہے ، تو پھر اُس کی خوبی کے اعتراف سے اس لئے گریز کرنا نہیں چاہیے کہ لکھنے والا مولانا ہے اور دینی فکر رکھتا ہے ۔

اگر ارباب نقد و نظر کا مطالعہ وسیع اور ہمہ گیر ہو ، اور اس کے ساتھ ہی وہ کسی مخصوص نظریہ سے متاثر نہ ہوں ، تو قدیم اردو کا ذکر کرتے ہوئے ، انہیں شاہ عبدالقادر دہلوی اور شاہ رفیع الدین دہلوی کے ترجمہ قرآن کے اُردو اقتباسات اور شاہ اسماعیل شہید کی اُردو تحریر کے نمونے بھی ضرور پیش کرنے چاہئیں ، ان بزرگوں نے صنعت و تکلف سے پاک اور انتہائی سادہ اُردو اُس زمانہ میں لکھی ہے ، جبکہ اُردو زبان سے گھٹنوں چل رہی تھی ، اور اُن کے سامنے اس قدر بے تکلف اور سادہ زبان کا کوئی نمونہ بھی موجود نہ تھا کنایہ و استعارہ کے تکلفات کو ہم زیادہ دیر تک نہیں نباہ سکتے ، جب یہ بحث چھڑ ہی گئی ہے تو حقائق سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا ، ہم پوری ذمہ داری کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ تقریباً پچیس سال سے "تنقید و ادب" پر جن اہل قلم کا غلبہ ہے وہ نہ صرف یہ کہ دین و اخلاق سے کوئی ہمدردی اور دلچسپی نہیں رکھتے بلکہ اپنے دل میں ایک طرح کی کد رکھتے ہیں ، اُن کا یہ نظریہ ہے کہ تجارتی منڈیوں کے بھاؤ کی طرح اخلاقی قدریں بھی بدلتی اور اُترتی چڑھتی رہتی ہیں ——— اس دُنیا کا کوئی خالق نہیں ، یہ کائنات آپ ہی آپ وجود میں آ گئی ہے ——— انسانی حیات کی تمام قدروں کا منبع اور فیصلہ کن عامل "معاشیات" ہے ——— کھاؤ پیو ، مزے کرو ، عیش اُڑاؤ اور مر جاؤ ، مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں ، کسی عمل پر کوئی محاسبہ نہیں !

اسی مزاج اور ذہنیت کے اہل قلم نے کچھ اس قسم کی فضا پیدا کر دی ہے کہ کوئی شخص کارل مارکس کی "قدر زائد" کو موضوع قرار دے کر ، کوئی مقالہ لکھتا ہے تو اُسے روشن خیال اور متنور الفکر سمجھا جاتا ہے ، مگر دوسرا شخص زکوٰۃ کا فلسفہ اپنے مضمون میں پیش کرتا ہے ، تو اُس پر قدامت پرستی اور مُلّائیت کی طنز کی جاتی ہے ! شوپن ہار اور ہیگل کے فلسفہ کا شارح "ترقی پسند" لیکن غزالی اور شاہ ولی اللہ کے افکار کا ترجمان "قدامت زدہ" !!

کسی ناول میں پاکبازی ، خدا ترسی اور عفت و تقویٰ کی جھلکیاں ہوں ، تو اُس ناول نگار کو دانستہ نظر انداز کیا جاتا ہے مگر اسکے برخلاف جو ناول بے حیائی ، ہوا و ہوس اور سفلی جذبات کا ترجمان ہو ، تو اُس کا لکھنے والا بہت بڑا فنکار قرار پاتا ہے ، کتنی نا انصافی ہے کہ نسیم حجازی جیسے عظیم ناول نگار کو .... صرف اس جرم کی پاداش میں نظر انداز کیا جا رہا ہے کہ اس فنکار نے اپنے ناولوں میں شرافت و عصمت اور اخلاق و نیکوکاری کی ترجمانی کی ہے ، اور وہ اسلامی فکر رکھتا ہے !

کرشن چندر کا ایک افسانہ حال ہی میں نظر سے گزرا ، اُس میں انھوں نے موہنجوداڑو کے آثار قدیمہ کو پس منظر قرار دے کر ایک لکھا ہے ، ان آثار کو کھودتے میں ایک "روٹی" نکلتی ہے ، جسے افسانہ نگار نے "خدا" ٹھیرایا ہے ،

——— تو جو لکھنے والے ———

"روٹی" کو "خدا" ٹھیرا دیں ، اُن کے فن کی تعریف کرتے کرتے زبانیں خشک ہو جائیں مگر جو افسانہ نگار "حقیقی خدا" کا اپنی تحریروں میں ذکر کریں تو اُن بیچاروں پر طرح طرح کی پھبتیاں چُست کی جائیں ——— یہ کہاں کا انصاف ہے ، یہ کیا ذہنیت ہے ، یہ کس طرح کی تنقید ہے ؟ علم و ادب کی دُنیا میں بھی ایسی دھاندلی ہونے لگے ——— تو ———

——— پھر کسے رہنما کرے کوئی ! ———

یہ سلسلہ "یہاں تک بڑھ گیا ہے کہ کوئی ادیب، شاعر اور افسانہ نگار "کمیونزم" کو پالش کرتا ہے، تو اُسے کوئی کچھ نہیں کہتا، گویا کہ یہ طے کر لیا گیا ہے کہ کمیونزم ادب کے ذریعہ پیش ہونے کا حق رکھتا ہے مگر کوئی قلم کار اور ادیب "اسلام" کی ترجمانی کر دے، تو لوگ چونکنے لگتے ہیں کہ جیسے اسلام کا ادب سے کوئی رابطہ ہی نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اعتراض کی کمانیں حرکت میں آجاتی ہیں۔

اسی جانب داری، جمعیت اور دھڑے بندی کا یہ نتیجہ ہے کہ بعض ایسے شعراء اور ادیب، جن کے یہاں زبان و بیان کی بیشمار غلطیاں ہوتی ہیں، اور جو لفظوں کے ٹھیک طرح برتنے کا بھی سلیقہ نہیں رکھتے، جن کی تحریروں میں جگہ جگہ جھول رہ جاتا ہے، اُن کو پروپیگنڈے کے ذریعہ "عظیم و شہیر" بنا دیا گیا ہے! نوخیز نسل انھی "عظیم و شہیر" (؟) شاعروں اور ادیبوں کا اثر قبول کر رہی ہے، اور اس طرح غلطیوں کے انبار پر انبار لگتے چلے جا رہے ہیں! اور سب سے زیادہ دکھ کی بات یہ ہے کہ "شعر و ادب" کی اس ٹریجڈی کا بہت سوں کو تو احساس تک نہیں ہے!

دُوسرا رُخ

ہم نے ابھی ابھی جو کچھ عرض کیا ہے، اُس کا تعلق خالص "ادبی نقطۂ نگاہ" سے ہے، یہ تصویر کا ایک رُخ تھا اگر یہ رُخ بھی "پاکستان رائٹرز گلڈ" کی کوششوں سے روشن و تابناک ہو جائے تو علم و ادب کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہوگا ——— اس کے بعد ہم جو کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں اُس کا تعلق نظریہ اور آئیڈیالوجی سے ہے!

اس بات کو ہر کوئی جانتا ہے کہ پاکستان کو فوجوں نے فتح نہیں کیا اور نہ وطن، نسل، رنگ اور معاش و اقتصاد کے عقائد اور نظریوں نے اس ملک کو جنم دیا ہے، پاکستان "اسلام اور صرف اسلام" کی بنیاد پر وجود میں آیا ہے، برعظیم ہند کے مسلمانوں نے پاکستان کے لئے ہر دکھ درد، پریشانی، خانہ ویرانی، تاراجی اور بربادی کو صرف اس اُمید پر گوارا کیا کہ اس ملک میں اللہ اور رسول کا قانون چلے گا اور یہاں کا معاشرہ اخلاق و تقویٰ کی بنیادوں پر استوار ہوگا، مسلم لیگ "اسلام" ہی کے نعرے کو لے کر اُٹھی تھی اور اسی مقدس نعرے کے طفیل اُسے کامیابی ہوئی اور "اسلام" ہی کے نام اور فیض نے اُس کے رہنماؤں کی قیادت کو چمکایا۔

پاکستان ایک "نظریاتی مملکت" (Ideological - state) ہے، اور اُس کا وجود اسی نظریہ (اسلام) کی کامیابی سے وابستہ ہے، اگر پاکستان میں خدانخواستہ "اسلام" کو اُبھرنے، پھیلنے اور غالب ہونے کا موقع نہیں ملتا، تو پھر پاکستان اپنے مقصدِ وجود کے اعتبار سے "لاشے" بن جاتا ہے!

قوموں اور ملکوں کی تعمیر اور افراد کے ذہن و فکر کی تربیت میں علم و ادب موثر پارٹ ادا کرتے ہیں، روس کی زندہ مثال ہمارے سامنے ہے۔ وہاں کے تمام ادیب، افسانہ نگار، فلسفی، مورخ اور شاعر "کمیونزم" کی نئے نئے انداز اور طرح طرح کے پیرایوں میں ترجمانی کر رہے ہیں، سوویت روس کا تمام لٹریچر "اشتراکیت کا مظہر بلکہ داعی اور مبلغ بنا ہوا ہے، اس میں ذرہ برابر مبالغہ نہیں ہے کہ روس کے بچوں کو اشتراکیت گھٹی میں پلائی جاتی ہے، روس کے اہل فکر اور ارباب حل و عقد کے اس جذبہ کو ہم قدر و ستائش کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ جس عقیدہ کو وہ مانتے ہیں، اُس کے اظہار میں وہ کسی قسم کا عار یا انفعالیت اور حجاب محسوس نہیں کرتے! روس اور چین سے باہر غیر اشتراکی ملکوں میں جہاں بھی کمیونسٹ یا نیم کمیونسٹ شاعر اور ادیب پائے جاتے ہیں، وہ بھی کسی نہ کسی عنوان سے "کمیونزم" ہی کی تبلیغ کرتے رہتے ہیں، کہیں کھل کر، کہیں اشاروں اور کنایوں میں!

جب "ادب" کو کمیونزم کے پرچار کا ذریعہ بنایا جا سکتا ہے، اور کمیونزم کے ترجمان ——— ادیبوں اور شاعروں پر نہ تو "فرقہ واریت" کی طنز کی جاتی ہے اور نہ انھیں تنگ نظر کہا جاتا ہے، تو پھر آخر مسلمان ادیبوں اور شاعروں کی اس کمزوری بے خبری اور غفلت و بے حسی کو کیا کہیے جو ادب کے ذریعہ اسلام کی ترجمانی کی سرے سے ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے، انھوں نے اسلام کو ایک

پرائیویٹ عقیدہ شاید بنا رکھا ہے جس کا زندگی کے کاروبار سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ "مذہبی فکر" ہی درصل اپنی جگہ غیر اسلامی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے لئے صرف "اسلام" کو پسند فرمایا ہے۔ یہی وہ نظام حق ہے جو آفاق گیر ہے اور انسانی فطرت کے عین مطابق ہے!

کتنے افسوس کا مقام اور کس قدر بے غیرتی اور ناانصافی کی بات ہے کہ کارل مارکس اور لینن کا پیش کیا ہوا نظام تو ادب کے ذریعہ پھیلنے اور عام ہونے کا حق رکھتا ہے مگر محمد عربی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے لائے ہوئے دین کو اس کا حق حاصل نہیں ہے کہ ادب کے ذریعہ اُس کی ترجمانی کی جاسکے! کمیونزم کے وہ "مومنین صادقین" جو کمیونزم کو دُنیا پر غالب کردینے کا عزم رکھتے ہیں اور اسلام کے یہ "مُذبذبین اور مُنافقین" جو اسلام کا نام لیتے ہوئے شرم محسوس کرتے ہیں اور ڈرتے ہیں کہ انھوں نے ادب میں کہیں اسلام کی جھلک پیدا کردی، تو ناقدین اُن کو تنگ نظر، قدامت پرست، مُلّا اور نہ جانے کیا کیا کہیں گے!!

اس ذہنیت اور مزاج کے یہ نتائج دیکھنے میں آرہے ہیں کہ پاکستان کی نئی نسل اُس "ادب" کا اثر قبول کر رہی ہے جو یا تو کمیونسٹ ہے یا نیم کمیونسٹ ہے، یا پھر اُس لٹریچر سے متاثر ہے، جسے پڑھ کر اسلام کی حقانیت، صداقت اور عظمت و افادیت کا کوئی نقش دل و دماغ کی لوح پر قائم نہیں ہوتا۔

جس "ادارہ" کے نام میں لفظ "پاکستان" شامل ہے، وہ پاکستان کے مقصد وجود کو کس طرح نظرانداز کرسکتا ہے اور یہ بات سارے زمانہ پر روشن اور عیاں ہے کہ پاکستان "اسلام" کے نام اور "اسلام" کے لئے وجود میں آیا ہے، اس لئے یہاں اسلام ہی کی سربلندی کے لئے جدوجہد ہونی چاہیے اور اسلام ہی پاکستان کی قوت، وحدت، سالمیت اور شیرازہ بندی کا ضامن ہے اس لئے "پاکستان رائٹرز گلڈ" کا فرض ہے کہ وہ ادب کے ذریعہ اسلام کی عکاسی اور ترجمانی کے لئے ایسی سازگار فضا پیدا کرے، جہاں کے ادیب و شاعر فخر و مسرت کے ساتھ "اسلام" کو اپنے فکر و اظہار کا موضوع بنائیں! اور پوری جرأت اور بے خوفی کے ساتھ اپنے عقیدہ کی تبلیغ کریں۔

"پاکستان رائٹرز گلڈ" کا یہ اقدام کمیونسٹ ادیبوں اور شاعروں پر بے شک گراں گزرے گا مگر اُن کی دلدہی کے لئے ہم یہ تو نہیں کرسکتے کہ کمیونسٹ لٹریچر کو تو پھیلنے دیں مگر اسلام کو ادب میں "اچھوت" بنا کر رکھ دیں اور جہاں تک ادب کا تعلق ہے، "ادب" کو اسلام کا عکاس اور ترجمان نہ بننے دیں۔

کمیونسٹ ادیبوں اور شاعروں کو اپنے مشن سے اس قدر عقیدت و محبت اور ایسی چاہت اور لگن کہ وہ اُس کے لئے ادب میں نئے نئے پیرائے تلاش کریں اور مسلمان ادیبوں اور شاعروں کی اسلام سے بے گانگی اور بے نیازی کا یہ عالم کہ ادب میں اسلام کا ذکر کرتے ہوئے شرمائیں ———— توبہ!

"پاکستان رائٹرز گلڈ" نے اپنے فرض کو پہچان کر، اگر ملک میں ایسی ادبی فضا پیدا کردی، جس میں اسلامی افکار کو نشو و نما پانے پھیلنے اور اثر و نفوذ حاصل کرنے کے مواقع میسر آگئے، تو اس ادارے کو اللہ تعالیٰ کی نصرت حاصل ہوگی۔ پاکستان کے لئے علم و ادب کے لئے اور تہذیب و اخلاق کے لئے یہ ایک ایسا عظیم الشان کارنامہ ہوگا جس کی افادیت کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا!

آخر میں، ہمیں یہ عرض کرنا ہے کہ اسلام اور ادب کا نام آتے ہی بعض دماغ عجیب اجنبیت اور اُلجھن سی محسوس کرتے ہیں، اگر اس سلسلہ میں "گلڈ" کے کسی رُکن یا عہدیدار کو کوئی اُلجھن محسوس ہو، یا ادب کی کسی صنف کا اسلامی فکر و عقیدہ کے ساتھ ربط و تعلق ناقابلِ عمل یا دُشوار نظر آئے ———— تو ———— اس کے لئے ہم اپنی ناچیز خدمات پیش کرتے

ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر اعتماد اور اسلام کی عالمگیر صداقت پر ایمان رکھتے ہوئے، ہم اپنی جگہ مطمئن ہیں کہ افہام و تفہیم کے ذریعہ اس قسم کے تمام شبہات دور کئے جاسکتے ہیں۔ طبیعت میں ضد اور ہٹ نہ ہو اور دل میں حق معلوم کرنے کی تڑپ ہو تو خالص عقل کی روشنی میں بھی دین واخلاق کے مسائل میں یکسوئی ہو سکتی ہے!

فاران کراچی

مولانا ظفر احمد عثمانی

مقتدی اور سورۂ فاتحہ کی قرات

حنفی مذہب کا موقف کتاب و سنت کی روشنی میں!

[فقہی مسائل کے اختلافات، فروعی اختلافات ہیں، ان کی نوعیت راجح اور مرجوح کی ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی ایک یا چند فقہی مسائل میں کسی فقہی مذہب کا مسلک درست نہ ہو، مگر اس قسم کی غلطیوں اور کوتاہیوں کو "ضلالت" نہیں کہہ سکتے، چاروں فقہی مذاہب حق ہیں اور اہل حدیث کا مسلک بھی حق ہے ——— مگر افسوس ہے کہ حضرات اہل حدیث فقہی مسائل کے اختلافات کو اس شدت کے ساتھ اُبھارتے ہیں جیسے ان فروعی مسائل پر ایمان و نجات کا دار و مدار ہے، ہمارے پاس اس قسم کی کتابیں تبصرے کے لئے آتی رہتی ہیں، جن میں حنفی مذہب پر درشت انداز بلکہ تحقیر آمیز لہجہ میں تنقید کی جاتی ہے! ہم سے بعض اہل حدیث حضرات کی زبانی بھی گفتگو ہوئی ہے، ان میں سے بعض کو اس جہالت و بے خبری میں مُبتلا پایا کہ حنفی فقہ (معاذ اللہ) احادیث کی مخالفت پر قائم ہے اور اُس میں نری قیاس و رائے کی گرم بازاری ہے ——— اور جمعہ کے خطبہ میں ایک اہل حدیث عالم کی زبان سے یہ بات سُن کر ہماری حیرت کی کوئی انتہا ہی نہیں رہی کہ "اہل حدیث کی جماعت ہی "ما انا علیہ واصحابی" کی مصداق ہے، اس لئے وہ "ناجی" ہے، باقی تمام فرقے ناری ہیں!" اس "عصبیت" سے اللہ تعالیٰ ہر کسی کو محفوظ رکھے۔

"فاران" میں فقہی اختلافات کو موضوعِ گفتگو عام طور پر نہیں بنایا گیا، یہ طویل مقالہ صرف اس لئے شائع کیا گیا ہے کہ ناواقف لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ فقہی حنفی کا تمام تر دار و مدار "کتاب و سُنت" پر ہے، امام ابو حنیفہ اور دوسرے ائمہ احناف فقہ نے اختلافی مسائل میں کسی نہ کسی حدیث ہی کی بُنیاد پر کوئی حکم لگایا ہے اور اپنی دانست میں اللہ اور رسول کی اطاعت "کتاب و سُنت" کے مفہوم و منشاء اور صحابہ کرام کے اسوہ کو پوری طرح ملحوظ رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق نگری، حق شناسی، ... حق طلبی اور اتباع حق کی توفیق عطا فرمائے، اور اس کی توفیق بھی کہ اختلاف کی حالت میں بھی ہم دیانت و شرافت کے حدود کا لحاظ رکھیں اور کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے۔] (م ۔ ق)

بڑی عجیب بات یہ ہے کہ اہل ظاہر حدیث عبادہ میں الا بام القرآن کی زیادت پر تو اتنا زور دیتے ہیں حالانکہ محمد بن اسحٰق کے سوا اس کا کوئی راوی نہیں اور اسی حدیث میں فصاعدا کی زیادت کو نہیں مانتے حالانکہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں اس کو روایت کیا اور صحیح قرار دیا ہے اور ابو داؤد نے بھی اس کو صحیح سند سے روایت کیا ہے حدیث کے پورے الفاظ یہ ہیں:۔

عن عبادة بن الصامت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا صلوٰة لمن لم یقرأ بام القرآن فصاعدا

عبادہ بن الصامت کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سورۃ فاتحہ اور کچھ زیادہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ۔ اب اگر اس سے مقتدی کے ذمہ فاتحہ پڑھنے کو واجب کہا جائے گا تو کچھ زیادہ پڑھنے کو بھی واجب کہنا پڑے گا کیونکہ حدیث میں زیادہ پڑھنے کا بھی حکم موجود ہے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں۔ اس پر بعض محدثین کا یہ کہنا کہ لفظ فصاعدا کو صرف

معمر نے تنہا زیادہ کیا ہے درست نہیں کیوں کہ ابوداؤد کی سند میں سفیان بن عینیہ نے بھی معمر کی موافقت کی ہے وہ بھی زہری سے معمر کی طرح روایت کرتے اور فصاعدا بڑھاتے ہیں پھر صالح (بن کیسان) اور امام اوزاعی اور عبدالرحمٰن بن اسحٰق وغیرہ جیسے ثقات نے بھی زہری سے اسی طرح روایت کیا ہے جیسا معمر نے بیان کیا ہے اور اس کی تائید ابوسعید خدری کی حدیث بھی کر رہی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں :۔

امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نقرأ بفاتحۃ الکتاب وما تیسر واسنادہ صحیح عند ابی داؤد۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سورۂ فاتحہ پڑھنے اور اس کے ساتھ) جو آسان ہے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اس کو ابوداؤد نے صحیح سند سے روایت کیا ہے اور ترمذی و ابن ماجہ نے اسی حدیث کو اس طرح روایت کیا ہے۔ لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بالحمد وسورۃ۔ اس شخص کی نماز نہیں جو الحمد اور ایک سورۃ نہ پڑھے۔ اس کی سند حسن ہے پس یہ دعویٰ قابل تسلیم نہیں کہ معمر نے تنہا زیادتی کی ہے پھر معمر کا درجہ حفظ و اتقان میں محمد بن اسحٰق سے بہت بلند ہے یہ امر انصاف سے بعید ہے کہ ابن اسحٰق کی زیادت کو قبول کیا جائے اور معمر کی زیادت کو رد کیا جائے۔ تو اب اہل ظاہر کو اس کا قائل ہونا چاہیئے کہ امام کے ساتھ مقتدی کے ذمہ سورۂ فاتحہ اور ایک سورت یا دو تین آیتیں پڑھنا بھی واجب ہے۔ حالانکہ وہ اس کے قائل نہیں۔ پس ہمارا مدعا ثابت ہوگیا کہ حضرت عبادہ کی حدیث مقتدی کے بارے میں نہیں بلکہ امام اور منفرد کے حق میں ہے کہ ان پر سورۂ فاتحہ اور ایک سورت یا دو تین آیتیں پڑھنا واجب ہے مقتدی کے ذمہ امام کے ساتھ قرأت واجب نہیں اور اگر کسی لفظ سے وجوب کا شبہ بھی ہوتا تھا تو حدیث عبادہ میں ابوداؤد کے اس لفظ سے ہر شبہ دور ہو گیا (ان کنتم لابد فاعلین فلا تفعلوا الا بام القرآن (فیض ص ۲۷۳ ج ۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم ضرور ہی امام کے پیچھے قرأت کرنا چاہتے ہو تو سورۂ فاتحہ کے سوا نہ پڑھو۔ اس سے ہر شخص خود ہی فیصلہ کر سکتا ہے کہ یہ عنوان وجوب کا ہے یا محض جواز کا۔ پھر جواز کو بھی سکتۂ امام کے ساتھ مقید کرنا ضروری ہے کیونکہ جہری نماز میں ساتھ ساتھ قرأت کرنا نص قرآن اور حدیث انصات کے خلاف ہوگا۔ تیسری دلیل صاحب تکمیل نے یہ بیان کی ہے۔

عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی صلوٰۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فہی خداج ثلاثا غیر تمام فقیل لابی ہریرۃ انا نکون وراء الامام فقال اقرأ بہا فی نفسک (مسلم شریف)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی ایسی نماز پڑھے جس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے وہ نماز ناقص ہے (تین بار فرمایا) کامل نہیں۔ ابوہریرہ کے شاگرد نے کہا کہ ہم (کبھی) امام کے پیچھے ہوتے ہیں تو ابوہریرہ رض نے جواب دیا کہ (ایسی حالت میں) سورۂ فاتحہ اپنے دل میں پڑھ لیا کرو۔ اس کے بعد مؤلف نے لفظ خداج اور تمام کے معنی میں بحث کی ہے مگر ہر سمجھدار آدمی سمجھ سکتا ہے کہ حدیث کا جتنا حصہ مرفوع ہے اس میں مقتدی کا کوئی ذکر نہیں۔ اور حضرت ابوہریرہ کے شاگرد کا سوال بتلاتا ہے کہ مقتدی کے ذمہ قرأت کا واجب ہونا اس کے نزدیک بھی حدیث سے مفہوم نہیں ہوا اور نہ قرأت خلف الامام اس کے نزدیک معروف تھی اسی لئے تو سوال کی ضرورت ہوئی پھر حضرت ابوہریرہ رض کے جواب کو مؤلف نے اس پر محمول کیا ہے کہ امام کے پیچھے آہستہ سورۂ فاتحہ پڑھی جائے۔ مگر اقرأ بہا فی نفسک اس مفہوم میں صریح نہیں ہمارے نزدیک مطلب یہ ہے کہ دل دل میں پڑھ لیا کرو۔ اور ہم بتلا چکے ہیں کہ عرفاً قرأت قلبی کو بھی قرأت کہا جاتا ہے۔ اس حدیث سے سورۂ فاتحہ کی رکنیت ثابت کرنا اور مقتدی کے ذمہ امام کے پیچھے اس کو واجب کرنا زبردستی ہے۔

حنفیہ وغیرہ کی عبارتیں پیش کرنا اور شاہ ولی اللہ رحمہ کے قول سے استدلال کرنا ظاہریہ کو زیب نہیں دیتا اگر ان حضرات کے اقوال

(نوٹ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں)

خلاف کرتی

حجت ہیں تو دوسرے علماء کے اقوال بھی حجت ہونا چاہئیں۔ جو فرماتے ہیں کہ اس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ بغیر فاتحہ کے نماز نہیں ہوتی ہے فاتحہ کی رکنیت پر کوئی دلالت نہیں بغیر فاتحہ کے نماز کو باطل کہنا حدیث کے خلاف ہے اس سے صرف فاتحہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے اور حنفیہ قرأت فاتحہ کو امام اور منفرد پر واجب کہتے ہیں۔ اور مقتدی کے لئے امام کی قرأت کافی ہے مع امام کی قرأت کے ذریعہ سے حکماً قاری ہے جیسا مفصل گذر چکا ہے حدیث مسلم ابوداؤد میں صراحۃً مقتدی کو خاموش رہنے کا حکم ہے اذا قرأ فانصتوا۔ یہی قرآن میں حکم ہے واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا پس جواب ابوہریرہ کا یہ مطلب نہیں کہ امام کے ساتھ قرأت کرو بلکہ مطلب یہ ہے کہ دل دل میں پڑھتے رہو یا امام سے پہلے اور اس کے سکتات میں تنہا پڑھ لو ساتھ نہ پڑھو اور فی نفسک کے معنی تنہا کے بھی آتے ہیں جیسا حدیث صحیح قدسی میں وارد ہے۔ من ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی ومن ذکرنی فی ملاء ذکرتہ فی ملاء خیر من ملاءہ۔ جو مجھے تنہا یاد کرے میں اس کو تنہا یاد کرتا ہوں اور جو مجھے جماعت میں یاد کرے میں اس کو جماعت سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں اس حدیث میں فی نفسہ کے معنی تنہا ہیں جیسا جماعت کے مقابلہ سے واضح ہے پس ابوہریرہ کے جواب کا بھی یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ امام کے پیچھے تم تنہا سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کرو اس کے ساتھ ساتھ نہ پڑھو اور اس کو کوئی منع نہیں کرتا اور اس تاویل کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس کو امام بیہقی نے جزء القرأت ص۵۴ میں اور حاکم نے مستدرک ص۲۳۹ ج۱ میں حضرت ابوہریرہ ہی سے بایں الفاظ روایت کی ہے۔

من صلی صلوٰۃ مکتوبۃ مع الامام فلیقرأ بفاتحۃ الکتاب فی سکتاتہ اھ

ملا حجۃ اللہ البالغہ کا مطالعہ کرنے والا خوب جانتا ہے کہ شاہ صاحب فرض اور واجب دونوں کو رکن کہدیتے ہیں ملاحظہ ہو ص۹۵ ج۱ جس میں ضم سورت کو بھی رکن قرار دیا ہے حالانکہ ضم سورت کسی کے نزدیک بھی فرض نہیں صرف حنفیہ کے نزدیک واجب ہے شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ ص۲۲ ج۲ میں فرمایا ہے وان کان ماموما وجب علیہ الانصات والاستماع فان جھر الامام لم یقرأ الا عند سکتاتہ وان خافت فلہ الخیرۃ فان قرأ فلیقرأ الفاتحۃ قراءۃ۔ لا یشوش علی الامام وھذا اولی الاقوال عندی وبہ یجمع بین ادلۃ الباب والسر فیہ ما نص علیہ من ان القراءۃ مع الامام تشوش علیہ وتفوت التدبر وتخالف تعظیم القرآن ولم یعزم علیھم ان یقرأ ومن الان العامۃ متی الادوان یصححوا الحروف باجمعھم کانت لھم لجۃ مشوشۃ اھ۔

(ترجمہ) اگر نمازی مقتدی ہو تو اس پر خاموش رہنا اور سننا واجب ہے اگر امام (قراءت) جہراً کر رہا ہے تو مقتدی قرأت نہ کرے مگر سکتہ کے وقت اور اگر قرأت سری کر رہا ہے تو مقتدی کو اختیار ہے اگر قرأت کرنا چاہے تو سورۂ فاتحہ اس طرح پڑھے کہ اس کی قرأت سے امام کو تشویش نہ ہو۔ میرے نزدیک سب اقوال میں یہ سب سے بہتر ہے کہ جہری نماز میں مقتدی سکتۂ امام میں قرأت کرے اور سری میں تشویش سے بچ کر قرأت کرے۔

اسی طرح اس باب کی تمام حدیثوں کو جمع کیا جا سکتا ہے اور اس میں راز یہ ہے جس کی تصریح بھی حدیث میں ہے کہ امام کے ساتھ قرأت کرنا اس کو مشوش کرتا ہے اور اس سے تدبر فی القرآن فوت ہوتا ہے اور یہ صورت تعظیم قرآن کے بھی خلاف ہے اور سری نماز میں بھی مقتدیوں پر لازم نہیں کی گئی کیونکہ عوام جب سب مل کر صحیح طور سے حروف کو ادا کرتے ہیں تو اس سے بھی ایک تشویشناک گونج پیدا ہوتی ہے اھ۔ یہ ہے شاہ ولی اللہ صاحب کا مسلک قرأت خلف الامام کے بارے میں اگر ان کا قول حجت ہے تو ہمیں تکمیل کو آگے کچھ بولنے کا حق نہیں ۱۲ ظ

جو کوئی فرض نماز امام کے ساتھ پڑھے وہ اس کے سکتات میں سورۂ فاتحہ پڑھے۔ بیہقی نے تسلیم کیا ہے کہ مرفوعاً یہ حدیث صحیح نہیں موقوفاً صحیح ہے یعنی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں بلکہ حضرت ابو ہریرہ رضی کا قول ہے جس سے یہ امر واضح ہو گیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی امام کے ساتھ قرارت مقتدی کو جائز نہیں سمجھتے سکتات میں جائز کہتے ہیں۔ یہی ہمارا قول ہے۔

(تنبیہ) مؤلف تکمیل البرہان نے حدیث ابو ہریرہ کی بحث میں بلا وجہ حدیث عبادہ رضی کے متعلق ایک بحث چھیڑ دی ہے کہ مولانا احمد علی صاحب حنفی (محدث) سہارنپوری نے حدیث عبادہ رضی کی سند میں نافع بن محمود کی وجہ سے کلام کیا ہے کہ وہ مستور الحال ہے حالانکہ مستور کی روایت امام ابو حنیفہ کے نزدیک مقبول ہے پھر عبادہ کی روایت کو امام ابو داؤد چار طرق سے لائے ہیں ان چاروں میں سے صرف ایک سند میں نافع بن محمود ہے پھر نافع بن محمود کو امام ذہبی نے کاشف میں ثقہ کہا ہے اور دارقطنی نے اس کی سند کو حسن اور راویوں کو ثقہ کہا ہے (جس سے نافع کا ثقہ ہونا ہی لازم آ گیا) اور ابن حبان نے بھی اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے الخ اس طویل کلام کا جواب یہ ہے کہ مولانا احمد علی صاحب نے وہی کیا ہے جو موفق ابن قدامہ حنبلی نے کتاب المغنی میں فرمایا ہے کہ حدیث عبادہ رضی میں یہ زیادت کہ "مگر امام کے پیچھے فاتحہ پڑھ لیا کرو" الخ صرف ابن اسحٰق روایت کرتا ہے اور ابو داؤد نے اس کو نافع بن محمود سے بھی روایت کیا ہے اور یہ ابن اسحٰق سے بھی ادنیٰ ہے کیونکہ اہل حدیث کے نزدیک غیر معروف ہے۔ جیسا ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ پھر امام احمد اور یحییٰ بن معین نے بھی اس زیادت کو ضعیف کہا ہے اور ابن حبان نے اگرچہ نافع کو کتاب الثقات میں داخل کیا ہے مگر اس کی حدیث کو معلل کہا ہے اور اس ایک حدیث کے سوا نافع سے اور کوئی روایت نہیں ان حضرات کے سامنے دارقطنی کی توثیق و تحسین کا جو درجہ ہے اہل علم خود سمجھ سکتے ہیں علامہ ابن تیمیہ نے بھی اس کو ضعیف کہہ کر فیصلہ کر دیا ہے کہ یہ حضرت عبادہ رضی کا قول ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے .... پھر ہم بتلا چکے ہیں کہ اس حدیث کے تمام طرق کو دیکھنے سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس کی سند میں بہت اضطراب ہے اور حدیث مضطرب بغیر رفع اضطراب کے کسی کے نزدیک بھی حجت نہیں بن سکتی اور علت اضطراب کے رفع کرنے کی وہی صورت ہے جو امام بخاری اور مسلم نے اختیار کی ہے کہ اس حدیث کا وہی حصہ صحیح میں داخل کیا جس کو ثقات نے روایت کیا ہے۔ جس میں امام اور مقتدی کا کوئی ذکر نہیں اور جس حصہ کے راوی محمد بن اسحٰق اور نافع بن محمود جیسے ہیں اس کو صحیح میں شامل نہیں کیا۔ اور اصول حدیث میں طے ہو چکا ہے کہ جب حدیث مضطرب کے چند طرق میں سے ایک طریق راجح ہو جائے وہی مقبول ہو گا بقیہ طرق مردود ہوں گے پس مولانا احمد علی صاحب حنفی محدث سہارنپوری نے کوئی مغالطہ نہیں دیا خود صاحب تکمیل البرہان ہی جاہلوں کو دھوکہ دے رہے ہیں۔

چوتھی دلیل صاحب تکمیل کی وہ ہے جس کو ہم مجمع الزوائد کے حوالہ سے اوپر بیان کر چکے ہیں کہ ایک صحابی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا شاید تم امام کے ساتھ ساتھ قرارت کرتے ہو تین بار دریافت فرمایا صحابہ نے کہا بے شک ہم ایسا کرتے ہیں فرمایا ایسا نہ کرو مگر یہ کہ کوئی سورۂ فاتحہ اپنے دل میں پڑھ لے الخ جاہلوں کو دھوکہ دینے کے لئے صاحب تکمیل نے اس حدیث کو اپنی دلیلوں میں شامل کر لیا حالانکہ یہ حنفیہ کی دلیل ہے کیونکہ حضور صلعم کا صحابہ سے یہ دریافت کرنا کیا تم امام کے ساتھ قرارت کرتے ہو؟ خود بتلا رہا ہے کہ امام کے ساتھ مقتدی کا پڑھنا حضور صلعم کو گوارا نہ تھا اور صحابہ کا بحالت اقتداء قرارت کرنا حضور صلعم کی اجازت سے نہ تھا جبھی تو سوال کی نوبت آئی اس پر بعض اہل حدیث کا یہ کہنا کہ یہ سوال قرارت فاتحہ سے نہ تھا بلکہ سورۂ فاتحہ سے زیادہ قرارت کے متعلق تھا غلط ہے۔ کیونکہ دارقطنی کے الفاظ ہیں:-

هل منكم من احد يقرأ شيئا من القرآن وحسنه (فیض الباری ص ۲۷۲ ج ۲)

کیا تم میں سے کسی نے قرآن میں سے کچھ پڑھا ہے؟ دارقطنی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ اور اس لفظ کا فاتحہ وغیر فاتحہ کو عام ہونا

ظاہر ہے۔ اس کے بعد آپ کا ارشاد الا ان یقرأ احدکم بفاتحۃ الکتاب فی نفسہ بھی ہماری دلیل ہے کیوں کہ اس میں فی نفسہ کی قید موجود ہے کہ سورۂ فاتحہ دل دل میں پڑھ لیا کرو۔ یا اس کے معنی منفرد کے ہیں یعنی امام کے ساتھ نہ پڑھو اس سے پہلے یا اس کے سکتہ میں پڑھ لیا کرو۔ اور ہم حدیث قدسی سے فی نفسہ کا بمعنی منفرد آنا بتلا چکے ہیں۔ مؤلف تکمیل کا یہ دعویٰ کہ فی نفسہ کے معنی آہستہ پڑھنے کے ہیں قابل قبول نہیں علماء مالکیہ میں سے بعض اجلۂ علماء نے حدیث ابوہریرہ رض اقرأ بھا فی نفسک کی تفسیر یہی کیا ہے کہ سورۂ فاتحہ دل دل میں پڑھ لیا کرو (شرح مسلم للنووی وفتح الملہم) پھر ہم بتلا چکے ہیں کہ نہی کے بعد استثناء وجوب کے لئے نہیں ہوتا صرف اباحت کے لئے ہوتا ہے تو اس حدیث سے مقتدی کے لئے قرارت فاتحہ کا صرف جواز ثابت ہوگا نہ کہ وجوب اور یہ صاحب تکمیل کے لئے مضر ہے کیوں کہ وہ تو فرضیت اور رکنیت کے مدعی ہیں اور اس حدیث سے مقتدی کے حق میں رکنیت تو کجا وجوب بھی ثابت نہیں ہوتا۔

پانچویں دلیل حضرت انس رض کی حدیث ہے جس کا مضمون وہی ہے جو اس سے پہلی حدیث میں صحابی مجہول کی حدیث کا ہے اس میں بھی وہی فی نفسہ کا لفظ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تین بار دریافت فرمانا بھی کیا تم نماز میں امام کے ساتھ ساتھ قرارت کرتے ہو؟ تم بتلا چکے ہیں کہ یہ حدیث اصل میں حنفیہ کی دلیل ہے جس کو بطور مغالطہ کے اہل ظاہر اپنی دلیل بنانا چاہتے ہیں۔ پھر ابن حبان نے کتاب الضعفاء میں ابن سالم کے واسطے سے حضرت انس رض سے روایت کیا ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان لہ امام فقرأت الامام لہ قرارت۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے لئے کوئی امام ہو (اور یہ اس کا مقتدی ہو) تو امام کی قرارت اس کے لئے بھی قرارت ہے ابن حبان نے ابن سالم میں کلام کیا ہے مگر نقہ میں اس کو ثقہ کہا ہے۔ اور تہذیب التہذیب میں ہے قال ابوحاتم لا بأس بہ صـ۱۶۱ ج ۹ ابوحاتم نے کہا اس میں کوئی بات نہیں ہے۔ اور یہ لفظ توثیق کے لئے مستعمل ہے اگر نافع بن محمود کو ذہبی کے قول سے ثقہ کہا جا سکتا ہے تو ابن سالم کو ابوحاتم کے قول سے بدرجۂ اولیٰ ثقہ کہا جائے گا پس دونوں حدیثوں کے ملانے سے ہمارے قول کی تائید ہوتی ہے کہ اس حدیث سے مقتدی کے لئے صرف جواز قرارت ثابت ہوتا ہے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ اور جواز بھی اس طرح کہ دل دل میں پڑھے یا امام سے پہلے یا سکتۂ امام میں پڑھے ساتھ ساتھ نہ پڑھے۔

چھٹی حدیث صاحب تکمیل نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میرے پیچھے قرارت کرتے ہو؟ صحابہ نے کہا ہاں ہم جلدی جلدی پڑھتے جاتے ہیں۔ حضور نے فرمایا ایسا نہ کرو مگر سورۂ فاتحہ (پڑھ لیا کرو) پھر عون المعبود سے نقل کر دیا کہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند امام بخاری وغیرہ کے نزدیک حجت ہے۔ مغالطہ دینا اور دھوکہ دینا اسی کا نام ہے ان کو عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کا حجت ہونا بعد میں ثابت کرنا تھا پہلے یہ بتلانا ضروری تھا کہ امام بخاری یا بیہقی سے عمرو بن شعیب تک راویوں کا کیا حال ہے؟ اگر جزء القرارت بخاری اور بیہقی کو اچھی طرح دیکھ لیا جاتا تو معلوم ہو جاتا کہ عمرو بن شعیب سے روایت کرنے والا ضعیف ہے قال البیہقی ومحمد بن عبید اللہ بن عمیر وان کان غیر محتج بہ وکذالک بعض من تقدم ممن رواہ عن عمرو بن شعیب فلقرارت المأموم فاتحۃ الکتاب فی سکتۃ الامام شواہد صحیحۃ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ خبرا عن فعلہم۔ وعن ابی ہریرۃ وغیرہ من فتواہم (صـ۵۲)

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اگرچہ محمد بن عبید اللہ بن عمیر سے حجت نہیں قائم ہو سکتی (کیوں کہ وہ ضعیف متروک ہے بعض محدثین نے اس کو کاذب بھی کہا ہے (لسان صـ۲۱۶ ج ۵) اسی طرح بعض اور لوگ بھی جو اس کو عمرو بن شعیب سے روایت کرتے ہیں (ان سے بھی حجت قائم

نہیں ہو سکتی) مگر امام کے سکتہ میں مقتدی کی قرات فاتحہ کے لئے عبداللہ بن عمرو اور ابو ہریرہ وغیرہ سے صحیح روایات میں ان کے فعل اور فتوی کا بیان موجود ہے اھ۔

اس میں امام بیہقی نے فیصلہ فرما دیا کہ عبداللہ بن عمرو اور حضرت ابو ہریرہ وغیرہ سے اس باب میں حدیث مرفوع ثابت نہیں صرف ان کا فعل اور فتوی کا ثابت ہے اور وہ بھی مطلقاً نہیں بلکہ امام کے سکتہ میں مقتدی کی قرات کو جائز فرماتے ہیں اور اس سے حنفیہ بھی منع نہیں کرتے وجوب پر کوئی دلیل نہیں۔ جیسا مفصل بیان گزر چکا۔ پس یہ بھی ہماری دلیل ہے۔

ساتویں دلیل میں عبادۃ بن الصامت رض کی حدیث ہی کو پھر بیان کر دیا ہے حالانکہ حدیث پڑھنے پڑھانے والے جانتے ہیں کہ جب صحابی ایک ہے تو حدیث ایک ہوگی اس کو چند احادیث قرار دینا صحیح نہیں ہم بتلا چکے ہیں کہ حدیث عبادہ رض مضطرب ہے اس کے طرق میں سے اگر کسی طریق کو ترجیح نہ ہوتی تو وہ قابل قبول ہی نہ ہوتی مگر جب ایک طریق کو ترجیح دیدی گئی تو یہی طریق حجت ہے بقیہ طرق حجت نہیں ہو سکتے اور ان طرق میں سے وہی طریق راجح ہے جس کو امام مسلم و بخاری نے صحیح میں اختیار کیا ہے اور اس میں مقتدی یا امام کا کچھ ذکر نہیں صرف اتنا مضمون ہے کہ جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں اور اس سے کسی کو انکار نہیں امام اور منفرد پر ہمارے نزدیک بھی قرات فاتحہ واجب ہے اور اسی معنی پر اس حدیث کو امام احمد بن حنبل اور سفیان بن عیینہ اور امام زہری جیسے ائمہ حدیث نے محمول کیا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ صحابی اور دوسرے صحابہ نے بھی اس کا یہی مطلب سمجھا ہے۔ اس طریق صحیح کے علاوہ حدیث عبادہ رض کے جتنے بھی طرق ہیں سب مرجوح اور ناقابل قبول ہیں پھر جس کتاب سے حدیث کے یہ الفاظ تکمیل البرہان میں نقل کئے گئے ہیں وہاں سے تصحیح اور تضعیف کچھ نقل نہیں کی گئی اور جس کتاب سے حدیث کی توثیق نقل کی گئی ہے اس سے حدیث کے الفاظ نہیں لئے گئے۔ کیوں کہ اس کے الفاظ مؤلف تکمیل کے خلاف اور حنفیہ کے لئے مفید تھے۔ مجمع الزوائد کے الفاظ یہ ہیں:۔

من قرأ خلف الامام فلیقرأ بفاتحة الکتاب (ص۱۸۶ ج۲) یعنی جو شخص امام کے پیچھے قرات کرے وہ سورۂ فاتحہ پڑھ لے اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام کے پیچھے قرات فاتحہ لازم نہیں جو پڑھنا چاہے وہ پڑھ سکتا ہے اور ہم حضرت ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عمرو بن العاص کی روایتوں سے ثابت کر چکے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی اپنے دل میں سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کرے یا امام کے سکتہ میں پڑھ لے اور اس کو کوئی بھی منع نہیں کرتا۔

حدیث نویں اور دسویں۔

اس کے بعد نویں اور دسویں حدیث بھی حضرت عبادہ رض ہی کی حدیث ہے اور دونوں جزء القرات بیہقی سے نقل کی گئی ہیں۔ میں بتلا چکا ہوں کہ حدیث عبادہ حدیث مضطرب ہے اور حدیث مضطرب کے جس طریق کو ترجیح ہو جائے وہی مقبول باقی ناقابل قبول ہیں اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ اس حدیث کا وہی طریق راجح ہے جس کو امام بخاری و مسلم نے اختیار کیا ہے۔ پھر صاحب تکمیل نے اس حدیث کو جزء القرات بیہقی سے نقل تو کر دیا مگر یہ نہ دیکھا کہ جس وقت محمد بن سلیمان بن فارس نے اس حدیث کو ان الفاظ سے بیان کیا ہے لاصلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب خلف الامام اسی وقت ابو الطیب محمد بن احمد ذہلی نے ان کو ٹوکا قال قلت لمحمد بن سلیمان خلف الامام قال خلف الامام ص۲۷ کیا اس حدیث میں خلف الامام بھی ہے؟ کہا ہاں۔ اور محمد بن احمد ذہلی ثقہ ہے اس کا اس لفظ پر انکار کرنا خود بتلاتا ہے کہ اس کے نزدیک یہ زیادت منکر ہے جس کا قرینہ یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں امام زہری بھی ہیں اور زہری کا مذہب موطا امام مالک وغیرہ سے معلوم ہو چکا ہے

کہ انکے نزدیک جہری نماز میں مقتدی کو امام کے ساتھ قراءت جائز نہیں۔ تفسیر طبری میں بھی بروایت ثقات زہری کا یہ قول مروی ہے کہ جس نماز میں امام جہر کرتا ہے مقتدی قراءت نہ کرے اگرچہ امام کی قراءت نہ سنے ہاں جس نماز میں امام جہر نہ کرے مقتدی اپنے دل میں آہستہ قراءت کرے جس نماز میں امام جہر کرے اس میں کسی کو قراءت جائز نہیں نہ زور سے نہ آہستہ صفحہ ۱۱۱ ج ۹

اگر اس حدیث میں انھوں نے لفظ خلف الامام روایت کیا ہوتا تو جہری نماز میں امام کے پیچھے قراءت کرنے سے کیوں منع کرتے؟ پس یا تو یہ زیادت شاذ ہے جیسا ابوالطیب ذہلی کے سوال سے مفہوم ہو رہا ہے یا یہ حدیث مسبوق کے متعلق ہے جو امام کے بعد اپنی بقیہ رکعتیں پوری کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ مسبوق اگر امام کے بعد بقیہ رکعتیں ادا کرتے ہوئے سورۂ فاتحہ نہ پڑھے گا تو اس کی نماز نہ ہوگی اور مسبوق پر ہم بھی سورہ فاتحہ کی قراءت کو واجب کہتے ہیں اور لفظ خلف کا معنی بعد میں مستعمل ہونا قرآن سے ثابت ہے ملاحظہ ہو تفسیر آیت فجعلناها نكالا لما بين يديها وما خلفها۔ (ہم نے اس واقعہ کو عبرت بنا دیا ان لوگوں کے لئے جو اس کے سامنے تھے اور ان لوگوں کے لئے جو اس کے بعد آنے والے تھے۔ تفسیر طبری صفحہ ۲۶۵ ج ۱) رہا امام بیہقی کا یہ فرمانا کہ اس کی سند صحیح ہے تو اس سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا کیوں کہ حدیث شاذ وہی ہے جس کے راوی سب ثقہ ہوں مگر کسی ثقہ نے جماعت ثقات کے خلاف کیا ہو۔ پھر امام بیہقی کا یہ فرمانا کہ اس حدیث میں خلف الامام کی زیادتی ویسی ہی ہے جیسی مکحول کی روایت میں (لا تفعلوا الا بام القرآن کی) زیادتی ہے تو مکحول کی اس زیادت کا حال ہم بتلا چکے ہیں کہ امام احمد اور یحییٰ بن معین وغیرہ ائمہ حدیث نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ پھر یہ فرمانا کہ یہ حضرت عبادہ رض سے بوجوہ چند صحیح مشہور ہے تو یہ وہی بات ہے جو علامہ ابن تیمیہؒ نے فرمائی ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت عبادہ رض کا قول ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں سو اس کا ہم نے کب انکار کیا ہے کہ بعض صحابہ قراءت خلف الامام کے قائل تھے مگر چونکہ ان کا قول خلاف نص قرآن اور خلاف حدیث صحیح ہے اس میں تاویل کی جائے گی کہ وہ دل دل میں سورۂ فاتحہ پڑھتے ہوں گے یا سکتہ امام میں، اور ترجیح ان صحابہ کے قول کو دی جائے گی جو نص قرآن اور حدیث صحیح کے موافق ہے اور دسویں حدیث عبادہ رض میں بھی امام اور غیر امام کی زیادت صحیح نہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کی نماز نہیں جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے خواہ امام ہو یا غیر امام ہو۔ کیوں کہ اس کی سند میں احمد بن عمیر دمشقی معروف بابن جوصا ہے جس کی بابت حافظ ابن مندہ نے حمزہ کتانی سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے اس سے روایت کرنا چھوڑ دیا تھا اور فرمایا میرے پاس ابن جوصا کی روایات کے دو سو جزء ہیں کاش وہ سفید ہی ہوتے اور حاکم نے زبیر بن عبدالواحد اسدی سے نقل کیا ہے کہ میں نے ابو علی کی کوئی لغزش نہیں دیکھی بجز اس کے کہ وہ عبداللہ بن وہب دینوری اور ابن جوصا سے روایت کرتے ہیں اھ۔ اس کی سند میں محمد بن ابی السری بھی ہے جو غالباً عسقلانی ہے وہ باوجود حفظ کے بہت غلطی کرتا اور منکرات روایت کرتا ہے ذہبی نے میزان میں اس کی ایک حدیث منکر بیان کر کے فرمایا ہے کہ اس کی اور بھی منکر احادیث ہیں پس اس روایت میں امام اور غیر امام کا لفظ یا ابن ابی السری کے مناکیر میں سے ہے یا ابن جوصا کے غرائب میں سے ہے اس سے حجت قائم نہیں ہو سکتی پھر اس میں مقتدی کا ذکر نہیں صرف امام اور غیر امام کا ذکر ہے تو غیر امام سے مراد منفرد ہے۔ مقتدی مراد نہیں کیوں کہ مقتدی کے بارے میں صحیح حدیث اذا قرأ الامام فانصتوا (جب امام قراءت کرے خاموش رہو) میں خاموش رہنے کا صریح حکم وارد ہو چکا ہے اور یہی قرآن میں حکم ہے واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا اور ہم بتلا چکے ہیں کہ بالاتفاق یہ آیت قراءت خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اب صاحب تکمیل البرہان اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ حکم خداوندی اور صحیح حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کون رد کر رہا ہے وہ یا ہم؟ [illegible] کو محقق و مبصر اور شریعت محمدیہ

ٌ یہ شخص متہم بالوضع ہے یعنی حدیثیں گھڑا کرتا تھا ۱۲ ظ

کا محکوم و فرمانبردار قرار دے کر حنفیہ کے عوام و خواص کو مذہب پرست فرقہ بند اور استخوان فروش کہتے ہوئے نہیں شرماتے۔

مسائل اختلافیہ میں جب کہ ہر فریق کے پاس دلائل موجود ہیں، یہ دریدہ دہنی اور خلاف تہذیب باتیں لکھنا آپ ہی کو مبارک ہو ہم کسی کو برا نہیں کہتے صرف اپنے مسلک کی تائید و تقویت پر اکتفا کرتے ہیں۔

آٹھویں حدیث حضرت عائشہؓ کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے۔ (مؤلف تکمیل نے اس کے ترجمہ میں بیکار کا لفظ اپنی طرف سے اضافہ کر دیا ہے) اس کے متعلق عرض ہے کہ اس حدیث کا حاصل وہی ہے جو حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ۷ کا حاصل ہے اس سے مقتدی کے ذمہ قرات فاتحہ کو لازم کرنا زبردستی ہے۔ کیوں کہ مقتدی کو امام کی قرات کافی ہے جس کا ثبوت احادیث صحیحہ سے ہم دے چکے ہیں مقتدی کے علاوہ امام اور منفرد کی نماز کو ہم بھی بغیر فاتحہ کے ناقص سمجھتے ہیں کیوں کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ان پر واجب ہے۔ مقتدی کے لئے قرآن اور صحیح حدیث میں انصات (خاموش رہنے کا) حکم ہے وہ امام کی قرات کی وجہ سے حکماً قرات کر رہا ہے۔ حدیث صحیح میں صاف حکم ہے۔ انما جعل الامام لیؤتم بہ امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے اور ساتھ ساتھ قرات کرنا اتباع نہیں ہے بلکہ اتباع امام یہ ہے کہ مقتدی خاموش رہے اور اس کی قرات کو سُنے امام کے ساتھ مقتدی کا قرات کرنا بقول شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تعظیم قرآن کے خلاف ہے۔

یہ دس حدیثیں بیان کر کے صاحب تکمیل نے تلک عشرۃ کاملۃ کا تاج سر پر رکھ کر بڑی فخر سے فرمایا ہے کہ الحمد للہ قرات فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان دس حدیثوں سے باحسن وجوہ حل ہو گیا۔ گویا حنفیہ کے پاس نہ قرآن سے کوئی دلیل ہے نہ حدیث سے۔ صاحب علم کو ایسی باتیں کرتے ہوئے شرمانا چاہیئے کیا ان کو معلوم نہیں کہ حنفیہ بھی اس مسئلہ میں قرآن و حدیث ہی سے استدلال کرتے ہیں۔

اس کے بعد صاحب تکمیل البرہان نے صحابہ کے آثار بیان کئے ہیں میں بتلا چکا ہوں کہ جن احادیث سے انھوں نے استدلال کیا ہے وہ یا تو صحیح نہیں اور اگر صحیح ہیں تو قرات فاتحہ خلف الامام میں صریح نہیں اب آثار کو دیکھئے۔

پہلا اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہے کہ ان سے یزید بن شریک نے قرات خلف الامام کا مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کرو۔ میں نے کہا اگرچہ آپ (امام) ہوں فرمایا اگرچہ میں (امام) ہوں۔ میں نے کہا اگرچہ آپ جہر کر رہے ہوں تو فرمایا اگرچہ میں جہر کر رہا ہوں اس کو دار قطنی نے روایت کیا اور کہا اس کے راوی ثقہ ہیں۔ اور دوسری سند سے روایت کر کے کہا کہ یہ سند صحیح ہے اور طحاوی نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ جواب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ سے روایتیں مختلف ہیں عبد الرزاق نے اپنے مصنف میں موسیٰ بن عقبہ امام المغازی والسیر سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما قرات خلف الامام سے منع فرماتے تھے اور یہ حدیث مرسلاً صحیح ہے اور امام محمد نے اپنی موطا میں داؤد بن قیس فراء سے محمد بن عجلان سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کاش اس شخص کے منہ میں پتھر پڑ جائیں جو امام کے پیچھے قرات کرتا ہے اس کے سب راوی ثقہ ہیں مگر روایت مرسل ہے کیوں کہ غالباً محمد بن عجلان کا سماع حضرت عمرؓ سے نہیں ہے مگر مرسل اور منقطع ہمارے یہاں حجت ہے اور علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں تصریح کی ہے کہ وہ مرسل صحیح اگر ایک حدیث موصول صحیح کے معارض ہوں تو وہ مرسل پر عمل کرنا اولیٰ ہے ص ۸۸ اور شاہ ولی اللہ صاحب

ے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب تکمیل کے سامنے طحاوی بھی ہے اور ممکن ہے موطا محمد اور نصب الرایہ زیلعی بھی ہو اور عمدۃ القاری شرح بخاری علینی بھی ہو تو کیا ان کو حنفیہ کے دلائل حدیثوں میں نظر نہیں آئے اگر نظر نہیں آئے؟ تو معلوم ہوتا ہے وہ عربی نہیں سمجھتے اور اگر نظر آئے تو پھر کس منہ سے حنفیہ کے مسلک کو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بتلاتے ہیں؟ ۱۲ ظ

نے ازالۃ الخفاء میں ایک مستقل باب تدوین مذہب عمر بن الخطاب کے لئے منعقد کیا ہے اس میں فرماتے ہیں:

قلت روی اہل الکوفۃ من اصحاب عمر انہ یبین ان المأموم لا یقرأ شیئاً اھ حضرت عمرؓ کے جن اصحاب کوفی ہیں ان کی روایت یہ ہے کہ (حضرت عمرؓ کے نزدیک) مقتدی کچھ قرأت نہیں کرے گا۔ اس صورت میں اصول ترجیح کے مطابق روایت تحریم کو ترجیح ہوگی۔ فقد ثبت فی الاصول ترجیح الحرام علی المبیح اذا تعارضا (کیوں کہ اصول میں دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ جب محرم اور مبیح میں تعارض ہو محرم کو ترجیح دی جائے گی) خصوصاً جبکہ روایت تحریم نص قرآن اور حدیث صحیح کے موافق ہے۔ یا دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کیا جائے کہ ممانعت کی روایت اس صورت پر محمول ہے جب امام کے ساتھ ساتھ قرأت کرے اور قرأت کا امر یا اجازت اس صورت میں ہے جب امام سے پہلے یا اس کے سکتہ میں یا سری نماز میں قرأت کرے جیسا حضرت ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عمرو اور حضرت عبادہ سے بروایت بیہقی ہم اس کا ثبوت دے چکے ہیں اور ظاہر ہے کہ امام کے ذمہ سکتہ واجب ہونے کی کوئی دلیل نہیں پس امر کو وجوب پر محمول نہیں کر سکتے جواز ہی پر محمول کیا جائے گا۔

دوسرا اثر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہے وہ فرماتے تھے پڑھو امام کے پیچھے ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور ایک سورت۔ دارقطنی نے فرمایا کہ اس کی سند صحیح ہے۔ میں کہتا ہوں تو کیا صاحب تکمیل البرہان مقتدی کے ذمہ سورۃ فاتحہ کے علاوہ ایک اور سورت پڑھنا بھی واجب کریں گے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو یہ خلاف اجماع ہے۔ جو لوگ قرأت خلف الامام کے قائل ہیں ان میں کوئی بھی مقتدی کے ذمہ فاتحہ کے علاوہ کوئی سورت پڑھنے کو واجب نہیں کہتا، خود اہل حدیث بھی اس کے قائل ہیں۔ اور اگر جواب نفی میں ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر کا جواب دیں کیوں کہ اس میں فاتحہ اور سورت دونوں کے پڑھنے کا مقتدی کو حکم ہے۔ اور ہمارا جواب یہ ہے کہ حضرت علی رضؓ سے بھی مختلف روایات ہیں۔ عبدالرزاق اور ابو بکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں حضرت علی رضؓ سے یوں روایت کیا ہے۔

قال من قرأ خلف الامام فقد اخطأ الفطرۃ۔ جو امام کے پیچھے قرأت کرے وہ فطرت (یعنی سنت) کے خلاف کرتا ہے۔ دارقطنی نے بھی اپنی سنن میں اس کو روایت کیا ہے جس کو مرسل شعبی کے ساتھ ہم بیان کر چکے ہیں اور اس کی سند میں کلام کیا ہے کہ قیس اور محمد بن سالم ضعیف ہیں مگر ان دونوں کو دوسروں نے ثقہ بھی کہا ہے اس لئے روایت کو رد نہیں کیا جا سکتا اور ابن ابی شیبہ کی سند میں یہ ضعیف راوی نہیں ہیں اس کی سند شرط صحیح کے موافق ہے بجز محمد بن الاصبہانی کے مگر اس کو علامہ ذہبی اور ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت علی رضؓ کے فتاویٰ اور قضایا کو اہل کوفہ دوسروں سے زیادہ جانتے ہیں کیوں کہ ان کا زمانہ خلافت زیادہ تر کوفہ میں گذرا ہے اس لئے ان کی روایت کو ترجیح دی جائے گی۔ خصوصاً جب کہ یہ روایت کتاب اللہ اور حدیث صحیح کے موافق بھی ہے۔ اور امام عبداللہ بن یعقوب سندمونی نے اپنی کتاب کشف الاسرار میں عبداللہ بن زید بن اسلم سے روایت کیا ہے وہ اپنے باپ (زید بن اسلم مولیٰ عمر بن الخطاب) سے روایت کرتے ہیں کہ صحابہ میں سے دس حضرات قرأت خلف الامام سے بہت سختی کے ساتھ منع کرتے تھے حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر بن الخطاب اور عثمان بن عفان اور حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین (عمدۃ القاری) جتنی سند مذکور ہے اس کے سب راوی ثقہ ہیں عبداللہ بن زید کو امام بخاری امام احمد نے ثقہ کہا ہے۔ اور محدثین سند کا جو حصہ حذف کرتے ہیں اس میں کلام نہیں ہوا کرتا۔

پس اثر عمر رضی اللہ عنہ کی طرح اثر علی رضی اللہ عنہ میں بھی محرم کو مُبیح پر ترجیح دی جائے گی۔ یا ممانعت کو جہری نماز پر اور اجازت کو سری نماز پر محمول کیا جائے گا جس کی تائید جزء القراءت بیہقی کے اس اثر سے ہوتی ہے :۔

عن علی رض قال من السنۃ ان یقرأ الامام فی الرکعتین الاولیین من صلوٰۃ الظہر بام الکتاب وسورۃ سرا فی نفسہ وینصتون من خلفہ ویقرؤن فی انفسھم۔ حضرت علی رض نے فرمایا نماز کی سُنّت یہ ہے کہ امام ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سُورۂ فاتحہ اور ایک سُورت آہستہ پڑھے اور اس کے پیچھے والے خاموش رہیں دل دل میں پڑھیں امام بیہقی نے اس سے احتجاج کیا ہے اور اس میں صاف تصریح ہے کہ مقتدی خاموش رہیں پھر اس سے سُورۂ فاتحہ کے بعد سُورت ملانے کا وجوب بھی ثابت ہے جس کے اہل حدیث قائل نہیں حنفیہ قائل ہیں۔ تیسرا اثر ابو العالیہ کہتے ہیں کہ میں نے مکہ میں عبداللہ بن عمر رض سے دریافت کیا کہ میں نماز میں پڑھوں؟ فرمایا کہ اس گھر کے (بیت اللہ کے) رب سے مجھے شرم آتی ہے کہ میں نماز پڑھوں اور اس میں قراءت نہ کروں اگرچہ سُورہ فاتحہ ہی ہو۔ اس کو امام بخاری نے جزء القراءت میں روایت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں اس میں قراءت خلف الامام کا ذکر نہیں بلکہ مطلق قراءت کا ذکر ہے کہ نماز میں قراءت ضرور ہونا چاہیے اگرچہ سُورہ فاتحہ ہی ہو۔ اس کو غیر مقتدی پر محمول کیا جائے گا کیوں کہ ابو العالیہ نے ہی مرسلاً روایت کیا ہے کہ لوگ امام کے پیچھے قراءت کرتے تھے تو آیت واذا قرأ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا۔ نازل ہوئی۔ فسکت القوم وقرأ النبی صلی اللہ علیہ وسلم پھر لوگ خاموش رہتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم قراءت کرتے تھے۔ اور موطا مالک سے اصح الاسانید کے ساتھ عبداللہ بن عمر کا مذہب مذکور ہو چکا ہے کہ جب ان سے سوال کیا جاتا کیا امام کے پیچھے قراءت کی جائے؟ تو فرماتے کہ امام کے پیچھے جو شخص نماز پڑھے اس کو امام کی قراءت کافی ہے اور جب تنہا نماز پڑھے تو قراءت کرنا چاہیے اس کے بعد نافع نے کہا کہ عبداللہ بن عمر رض امام کے پیچھے قراءت نہ کرتے تھے اور بیہقی نے بھی جزء القراءت میں سند صحیح کے ساتھ قاسم بن محمد سے یہی روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن عمر رض امام کے پیچھے قراءت نہ کرتے تھے خواہ وہ جہر کرتا یا نہ کرتا۔

پس ابو العالیہ کی یہ روایت ان کے معارض نہیں ہو سکتی اس کو امام اور منفرد پر محمول کرنا ضروری ہے۔ پھر اس کا یہ لفظ کہ اگرچہ سُورۂ فاتحہ ہی ہو بتلا رہا ہے کہ عبداللہ بن عمر کے نزدیک قراءت کے لئے سُورہ فاتحہ متعین نہیں اور یہ صاحب تکمیل البرہان کو مضر ہے کیوں کہ وہ تعیین فاتحہ اور اس کی رکنیت کے قائل ہیں۔ اس کے بعد کنز العمال سے جو اثر عبداللہ بن عمر کا نقل کیا ہے اس میں کاتب نے غلطی کی ہے وہ در اصل عبداللہ بن عمرو بن العاص کا اثر ہے ملاحظہ ہو۔ (جزء القراءت الامام البیہقی ص۲۵) اور اس کی سند میں مثنیٰ بن صباح ضعیف ہے (تقریب ص۳۱۰) پھر اس میں امام کے پیچھے مطلقاً قراءت کا ذکر نہیں بلکہ امام سے پہلے یا سکتہ کی حالت میں پڑھنے کا ذکر ہے اور اس سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ نیز اس میں یہ لفظ بھی ہے من صلی مکتوبۃ او سبحۃ فلیقرأ بام القرآن وقرآنا معھا۔ جو شخص فرض نماز پڑھے یا نفل وہ سُورۂ فاتحہ بھی پڑھے اور اس کے ساتھ کچھ اور بھی قرآن (سے) پڑھے۔ جس سے فاتحہ کے ساتھ ضم سورت کا وجوب صاف معلوم ہو رہا ہے مگر اہل حدیث اس کے قائل نہیں اگر اس اثر سے مقتدی کے ذمہ سُورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب کیا جائے گا تو ایک سورت یا چند آیات کا پڑھنا بھی واجب ہو گا اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ پس یہ اثر اتفاقاً متروک العمل ہے۔

چوتھا اثر حضرت ابی بن کعب کا ہے کہ وہ امام کے پیچھے قراءت کرتے تھے مگر ظاہر یہ ہے کہ وہ امام سے پہلے یا اس کے سکتات میں قراءت کرتے تھے اور اس کو ہم بھی منع نہیں کرتے جیسا آئندہ اثر میں اس کی صاف تصریح ہے پانچواں اثر عبداللہ بن عمرو بن العاص کا ہے کہ قراءت خلف الامام کرتے تھے مگر صاحب تکمیل نے خود ہی کنز العمال کے حوالہ سے اس کی تشریح بھی نقل کر دی ہے کہ وہ فرماتے تھے جب تو امام کے ساتھ

فلمان کراچی

ہو تو سورۂ فاتحہ اس سے پہلے یا اس کے سکتات میں پڑھ لیا کرو۔ اور اس کو ہم بھی جائز کہتے ہیں اور وجوب کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ امام کے ذمہ کسی دلیل سے بھی سکوت واجب نہیں۔

چھٹا اثر حضرت ابوہریرہ رض کا ہے (کہ جس نماز میں فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ خداج ہے ناقص ہے تو) ابوالسائب نے کہا کہ جب میں امام کے ساتھ ہوں اور وہ جہر کے ساتھ قرات کر رہا ہو تو کیا کروں؟ حضرت ابوہریرہ رض نے جواب میں فرمایا ویلک یا فارسی اقرأ بہا فی نفسک اھ اس کا ترجمہ صاحب تکمیل نے یوں کیا ہے کہ سورۂ فاتحہ آہستہ پڑھ لیا کرو۔ اور ہمارے نزدیک اس کا ترجمہ یہ ہے کہ دل دل میں پڑھ لیا کرو کیونکہ ابوداؤد و نسائی وغیرہ میں بسند صحیح ابوہریرہ ہی سے روایت ہے اذا قرأ الامام فانصتوا کہ جب امام قرات کرے تو خاموش رہو اور قرات قلبی کا قرات ہونا لغۃً و عرفاً ثابت ہے جیسا ہم پہلے بتلا چکے ہیں پس دونوں روایتوں پر عمل کی صورت یہی ہے کہ حضرت ابوہریرہ رض مقتدی کے لئے وجوب انصات کے بھی قائل ہیں کہ مقتدی کو امام کے پیچھے خاموش رہنا واجب ہے اور دل دل میں قرات کو جائز سمجھتے ہیں یہی ہمارا مذہب ہے۔

ساتواں اثر عبداللہ بن مغفل کا ہے کہ وہ امام کے پیچھے ظہر اور عصر کی پہلی دونوں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورت بھی پڑھا کرتے تھے اور پچھلی دونوں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ ابن مندہ نے اپنی تفسیر میں عبداللہ بن مغفل کے اس کے خلاف روایت کیا ہے کہ میں نے صحابہ میں سے ایک بزرگ سے سوال کیا (راوی کہتا ہے کہ میرا گمان یہ ہے کہ انھوں نے عبداللہ بن مغفل کا نام لیا تھا) کیا ہر شخص پر جو قرآن سنے اس کا سننا اور خاموش رہنا واجب ہے؟ فرمایا یہ آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا (جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنو اور خاموش رہو) قرات خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جب امام قرات کرے تو اس کو سنو اور خاموش رہو (زیلعی ص۲۲۲ ج۲) پس اگر جزء القراءت بخاری کی روایت میں لفظ خلف الامام کی زیادتی شاذ و منکر نہیں ہے تو کہا جائے گا عبداللہ بن مغفل امام کے ساتھ ساتھ قرات نہ کرتے تھے اس سے پہلے یا درمیانی سکتہ میں قرات کرتے ہونگے پھر اس روایت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورت ملانے کا بھی ذکر ہے کیا صاحب تکمیل اس کو امام یا مقتدی کے ذمہ واجب کہیں گے؟ اگر نہیں تو ایسا اثر بیان کرنے سے کیا فائدہ جس پر خود بھی عمل نہیں کرتے۔

آٹھواں اثر ابونضرہ کا ہے کہ میں نے ابوسعید رض خدری سے قرات خلف الامام کے بارے میں سوال کیا انھوں نے فرمایا سورۂ فاتحہ (پڑھ لیا کرو) میں کہتا ہوں اس حدیث کو ابوداؤد نے ابونضرہ ہی سے روایت کیا ہے جیسا خود صاحب تکمیل نے نقل کیا ہے اس میں خلف الامام کا ذکر نہیں بلکہ اس کے الفاظ یہ ہیں۔ قال امرنا ان نقرأ بفاتحة الكتاب وما تيسر۔ ہم کو امر کیا گیا ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھیں اور جو آسان ہو۔ اور اہل حدیث سورۂ فاتحہ کے بعد اور کچھ پڑھنے کو واجب نہیں کہتے۔ ترمذی و ابن ماجہ میں بھی حضرت ابوسعید خدری کی یہ روایت موجود ہے اس میں بھی لفظ خلف الامام موجود نہیں ابن عدی نے کامل میں اور ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اسحق بن راہویہ نے اپنی مسند میں اور طبرانی نے مسند اہل شام میں اسی حدیث کو روایت کیا ہے ان حضرات کی روایتوں میں بھی خلف الامام کا نشان نہیں۔ طبرانی نے اس کو ابونضرہ سے ابوسعید سے بایں الفاظ روایت کیا ہے لا صلوة الا بام القرآن ومعها غيرها۔ (نماز نہیں ہوتی مگر سورۂ فاتحہ سے اور اس کے ساتھ کچھ اور بھی ہو) اور کامل کے الفاظ یہ ہیں۔ لا صلوة الا بفاتحة الكتاب وسورة معها (نماز نہیں ہوتی مگر سورۂ فاتحہ سے اور اس کے ساتھ ایک اور سورت ہو) ابن ماجہ کے الفاظ یہ ہیں لا صلوة لمن لم يقرأ في كل ركعة بالحمد وسورة في فريضة وغيرها (نماز نہیں ہے اس شخص کی جو ہر رکعت میں الحمد اور ایک سورت نہ پڑھے فرض ہو یا نفل) (اعلاء ص۱۸۲ ج۲) اب اگر اس کو قرات خلف الامام پر محمول کیا گیا تو صاحب تکمیل کو قائل بننا چاہیے

کہ امام اور مقتدی کے ذمہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد ایک اور سورت پڑھنا بھی واجب ہے حالانکہ وہ اس کے قائل نہیں پھر
ایسے آثار کے نقل کرنے سے کیا فائدہ جن پر وہ خود عمل نہیں کرتے؟ اس کے بعد صاحب تکمیل نے حنفیہ کی طرف ایک مغالطہ منسوب
کیا ہے کہ بوقت تعلیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیئ الصلوٰۃ[1] کو فاقرأ ما تیسر معک من القرآن فرمایا تھا کہ قرآن سے تجھے جو آسان
ہو وہ پڑھ لیا کر (خاص سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا اس سے معلوم ہوا کہ فرض قرأت ادا کرنے کے لئے فاتحہ کی خصوصیت
نہیں ایک دو آیت کسی سورت کی پڑھنے سے بھی فرض ادا ہو جائے گا اس کے جواب میں صاحب تکمیل کہتے ہیں کہ) حافظ صاحب
(یعنی حافظ ابن حجر عسقلانی) نے فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے ای بعد الفاتحۃ یعنی فاتحہ کے بعد جو سورت تجھے یاد ہو اور
آسان ہو وہ پڑھ لیا کر جیسا کہ ابوداؤد میں رفاعۃ بن رافع کی حدیث میں ثم اقرأ بام القرآن صاف موجود ہے یعنی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیئ الصلوٰۃ کو فرمایا کہ سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد جو سورت ہو پڑھ لیا کر۔ میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو قرأت
خلف الامام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس کا تعلق منفرد کی نماز سے ہے اور منفرد کے ذمہ ہمارے نزدیک بھی سورۂ فاتحہ اور ایک سورت یا
تین آیتیں پڑھنا واجب ہے مگر صاحب تکمیل کے نزدیک فاتحہ کے علاوہ اور کچھ پڑھنا واجب نہیں اگر اس حدیث کو قرأت خلف الامام
سے متعلق کہا جائے گا تو ان کو قائل ہونا چاہیئے کہ امام اور مقتدی دونوں پر سورۂ فاتحہ کے بعد اور بھی کچھ پڑھنا واجب ہے۔ رہا
حنفیہ کا یہ کہنا کہ حدیث مسیئ الصلوٰۃ میں سورۂ فاتحہ کا ذکر نہیں صرف اتنا ہے کہ قرآن میں سے جو تم کو آسان ہو پڑھو یہ مغالطہ ہرگز
نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس حدیث کے راوی دو صحابی ہیں۔ ایک ابوہریرہ رضی دوسرے رفاعہ بن رافع۔ حضرت ابوہریرہ کی تمام روایتوں
میں یہی ہے۔

ثم اقرأ ما تیسر معک من القرآن　　پھر قرآن میں سے جو تم کو آسان ہو پڑھو۔

کسی روایت میں بھی ام القرآن یا سورۂ فاتحہ کا ذکر نہیں اور رفاعہ بن رافع کی حدیث میں بھی اکثر راویوں نے یہی کہا ہے
صرف ایک راوی محمد بن عمرو نے ثم اقرأ بام القرآن وبما شاء اللہ کہا ہے۔ (پھر سورۂ فاتحہ پڑھو اور اس کے بعد جو اللہ چاہے
پڑھو) یہ ابوداؤد کے الفاظ ہیں اور اسی محمد بن عمرو کی روایت میں امام احمد اور ابن حبان کے یہ الفاظ ہیں۔

ثم اقرأ بام القرآن ثم بما شئت۔ پھر سورۂ فاتحہ پڑھو اور جو تمہارا جی چاہے پڑھو۔ خود حافظ ابن حجرؒ نے (فتح الباری
صفحہ ۲۳۱ ج ۲) میں۔ اس کی تصریح کی ہے۔ قولہ ثم اقرأ ما تیسر معک من القرآن لم تختلف الرواۃ فی ھذا عن ابی ھریرۃ ولما
رفاعۃ ففی روایۃ اسحق المذکورۃ فاقرأ ما تیسر من القرآن مما علمہ اللہ وفی روایۃ یحیی بن علی فان کان معک قرآن
فاقرأ والا فاحمد اللہ وکبرہ وھللہ وفی روایۃ محمد بن عمرو عند ابی داؤد ثم اقرأ بام القرآن وبما شاء اللہ ولاحمد وابن
حبان من ھذا الوجہ ثم اقرأ بام القرآن ثم اقرأ بما شئت اھ پس محمد بن عمرو کی یہ زیادت شاذ ہے اور حدیث شاذ اصول حدیث
پر صحیح نہیں ہو سکتی خصوصاً جب کہ محمد بن عمرو ثقہ متفق علیہ بھی نہیں یحیی ابن معین۔ جوزجانی اور یعقوب بن شیبہ اور ابن سعد نے
اس کی تضعیف کی ہے اور جن لوگوں نے توثیق کی ہے وہ بھی اس کو خطا اور قلت حفظ سے مجروح کرتے ہیں ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب
(صفحہ ۳۷۵ ج ۹) ایسے راوی کا تفرد محدثین کے اصول پر قابل قبول نہیں پھر یہ زیادت نص قرآن کے خلاف ہے قرآن میں

---

[1] یعنی نماز کو بری طرح پڑھنے والا یہ حدیث اسی عنوان سے بیان کی جاتی ہے۔ قصہ یہ ہے کہ ایک شخص نے حضورؐ کے سامنے
بے ڈھنگے طریقہ سے نماز پڑھی تھی آپ نے بار بار نماز لوٹانے کا حکم دیا۔ پھر خود نماز کا طریقہ بتلایا اور سورۂ فاتحہ پڑھنے کا
حکم نہیں دیا بلکہ یہ فرمایا کہ قرآن میں سے جو آسان ہو پڑھو۔ ۱۲ ظ

فاقرؤا ما تیسر من القرآن وارد ہے کہ قرآن میں سے جو آسان ہو پڑھو سورۂ فاتحہ کی قید نہیں پس جو روایت نص قرآن کے موافق ہوگی اور جو نص قرآن پر زیادت کو ثابت کرے گی اس کو نص قرآنی کے برابر نہیں کیا جا سکتا اس لئے ہم کہتے ہیں کہ فرض تو اتنی ہی قرأت ہے جو آسان ہو (یعنی کم از کم ایک آیت) اور خبر واحد میں جو زیادت مذکور ہے وہ فرض نہیں بلکہ واجب ہے اس صورت میں نص قرآن پر بھی عمل ہو گیا اور حدیث پر بھی۔ اور قرأت فاتحہ کو فرض قرار دینے کی صورت میں نص کا ابطال لازم آئے گا اور یہ گوارا نہیں کیا جا سکتا کہ خبر واحد کو نص قرآن کے برابر کیا جائے اب صاحب تکمیل البرہان اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ ما تیسر لفظ جیسے عام اور خبر واحد کی بنا پر نص قرآن کو باطل کرنے والا کون ہے وہ یا ہم؟ رہا یہ دعویٰ کہ قرآن اور حدیث میں ما تیسر (جو آسان ہو) سے مراد سورۂ فاتحہ ہے محض زبردستی ہے سورۂ والعصر اور انا اعطیناک الکوثر اور قل ھو اللہ احد سے زیادہ آسان سورۂ فاتحہ کیوں کر ہو سکتی ہے جس میں دو جگہ حرف ضاد ہے جس کا صحیح پڑھنا عوام کو کیا خواص کو بھی دشوار ہے اور اس کی وجہ سے اب تک ہنگامہ برپا ہے کہ ضاد مشابہ ظا ہے یا مشابہ دال۔ علامہ شعرانی شافعی میزان میں فرماتے ہیں:۔

فرحم الله ابا حنیفة حیث غایر بین لفظ الفرض والواجب وبین معناهما فجعل ما فرضه الله تعالیٰ اعلیٰ مما فرضه رسول الله صلی الله علیه وسلم وان کان لا ینطق عن الهویٰ ادبا مع الله تعالیٰ ونفس رسول الله صلی الله علیه وسلم یحب رفع مرتبة تشریع ربه علی تشریعه ولو کان ذالک باذنه تعالیٰ ولم ینظر الی ذالک من جعل الفرض والواجب مترادفین وقال الخلف لفظی والحق انهما عند الامام ابی حنیفة متفاضلان والخلف معنوی کما هو لفظی اھ

(من فتح الملهم ص۱۹ ج۲)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ امام ابوحنیفہ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے کہ انہوں نے فرض اور واجب میں فرق کیا اور دونوں کے معنی الگ الگ بیان کر دیئے کہ جس عمل کو اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرض کئے ہوئے عمل سے اعلیٰ قرار دیا اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی خواہش سے کچھ نہیں فرماتے امام ابوحنیفہ نے اللہ تعالیٰ کا ادب ملحوظ رکھا اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بھی امام ابوحنیفہ کی تعریف کرتا ہے کیوں کہ آپ کو بھی یہی پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تشریع کو آپ کی تشریع سے بلند رتبہ میں رکھا جائے اگرچہ آپ کی تشریع بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہے اس نکتہ کی طرف ان لوگوں کی نظر نہیں پہونچی جو فرض و واجب کو برابر سمجھتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فرض و واجب کا درجہ ایک دوسرے سے کم ہے دونوں میں لفظی فرق کے ساتھ معنوی فرق بھی ہے اھ۔ صاحب تکمیل البرہان نے علامہ شعرانی کا ایک قول نقل کیا ہے اس کے ساتھ اس قول کو بھی ملا کر دیکھیں تو حقیقت واضح ہو جائے گی کہ قرآن و حدیث کے احکام کو برابر کرنا صحیح نہیں جو حکم قرآن سے ثابت ہو اس کو فرض اور جو حدیث سے ثابت ہو اسے واجب کہنا چاہیے ”

نواں اثر حضرت عائشہ رضؓ کا ہے کہ وہ امام کے پیچھے قرأت کا امر کرتی تھیں۔ اس میں سورۂ فاتحہ کا ذکر نہیں۔ نہ یہ تصریح ہے کہ امام کے ساتھ ساتھ نماز جہری میں قرأت کا امر کرتی تھیں یا نماز سری میں اور جہری نماز میں امام کے سکتات میں۔ پس اس میں اہل حدیث کے لئے کوئی حجت نہیں، ہم بتلا چکے ہیں کہ دس صحابہ جن میں خلفاء اربعہ بھی شامل ہیں قرأت خلف الامام سے بہت سختی کے ساتھ منع فرماتے تھے ان صحابہ کا قول نص قرآن واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا۔ اور حدیث صحیح اذا قرأ الامام فانصتوا کے موافق ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے اس کو سنو اور خاموش رہو اور جب امام قرأت کرے تم خاموش رہو۔ پس ان تصریحات کے ہوتے ہوئے حضرت عائشہ رضؓ کے قول مجمل سے قرآن و حدیث صحیح کو ترک نہیں کیا جائے گا۔ اس میں تاویل کی جائے گی کہ سری نماز

میں یا جہری کے سکتات میں قرارت کرتی ہوں گی۔

دسواں اثر حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا ہے کہ ہم امام کے پیچھے ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور ایک سورت پڑھتے تھے اور پچھلی دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ ....

تو کیا صاحب تکمیل اس کے قائل ہیں کہ مقتدی کے ذمہ سورۂ فاتحہ کے علاوہ بھی ایک سورت پڑھنا واجب ہے؟ اگر وہ اس کے قائل نہیں تو ایسا اثر خود ان پر حجت ہے جس پر وہ عمل نہیں کرتے۔ پھر یہ حدیث مضطرب ہے کیوں کہ ابن ماجہ نے اس کو یزید فقیر کے واسطے سے حضرت جابر سے روایت کیا ہے اور بیہقی نے جزء القراءت میں یزید فقیر ہی کے واسطے سے اس کو روایت کیا ہے مگر اس میں خلف الامام کا ذکر نہیں صرف اتنا ہے کہ وہ پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ کچھ اور پڑھتے تھے اور پچھلی دو رکعتوں میں صرف فاتحہ پڑھتے تھے۔ پھر بیہقی نے عبید اللہ بن مقسم سے حضرت جابر سے روایت کیا اس میں بھی خلف الامام کا ذکر نہیں اس کا مضمون یہ ہے کہ نماز میں قرارت کی سنت یہ ہے کہ پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور ایک سورت پڑھے اور پچھلی دونوں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ۔ پھر اعمش کے واسطے سے یزید فقیر سے حضرت جابر سے ان لفظوں کے ساتھ روایت کیا۔ اقرأ فی الاولین بالحمد وسورة وفی الاخرین بالحمد۔ کہ پہلی دونوں رکعتوں میں الحمد اور ایک سورت پڑھو اور پچھلی دو میں الحمد پڑھو پس ایسی مضطرب روایت سے اس حدیث کا معارضہ نہیں ہو سکتا جس کو امام مالک نے موطا میں بسند صحیح اور امام ترمذی نے جامع میں بسند حسن صحیح روایت کیا ہے کہ حضرت جابر رض فرماتے ہیں جس نے کسی رکعت میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی تو اس نے نماز نہیں پڑھی مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو (تو اس کی نماز بغیر قرارت کے درست ہے) اور حافظ ابن حجر نے اس کو مشہور بتلایا ہے پھر ابن ماجہ کی روایت سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ وہ سری نمازوں میں امام کے پیچھے قرارت کرتے تھے اور اس کو ہم بھی جائز کہتے ہیں یہ کہاں معلوم ہوا کہ وہ جہری نمازوں میں بھی امام کے ساتھ ساتھ قرارت کرتے تھے اور محل نزاع یہی صورت ہے۔

گیارھواں اثر حضرت عبادۃ الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے جس کو ابو داؤد نے نافع بن محمود سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبادہ رض نے صبح کی نماز میں دیر کی تو ابو نعیم نے نماز پڑھائی اتنے میں عبادہ رض آگئے اور میں ان کے ساتھ تھا ہم ابو نعیم کے پیچھے صف میں کھڑے ہو گئے ابو نعیم اس وقت جہر سے قرارت کر رہے تھے عبادہ رض نے سورۂ فاتحہ پڑھنی شروع کر دی نماز سے فارغ ہو کر میں نے کہا کہ میں نے آپ کو سورۂ فاتحہ پڑھتے ہوئے سنا حالانکہ ابو نعیم جہر سے قرارت کر رہے تھے حضرت عبادہ نے کہا ہاں ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی الخ پھر اس کو تمہید ابن عبدالبر اور مستدرک حاکم سے نقل کیا گیا ہے اس میں محمود بن ربیع کی طرف اس سوال وجواب کو منسوب کیا گیا ہے میں کہہ چکا ہوں کہ یہ حدیث مضطرب ہے اور اس کے اضطراب کی تفصیل بھی بیان کر چکا ہوں اور یہ کہ اس کے تمام طرق میں راجح وہی طریق ہے جس کو امام بخاری و مسلم نے اختیار کیا ہے اس میں صرف اتنا مضمون ہے کہ بغیر سورۂ فاتحہ کے نماز نہیں ہے امام یا مقتدی کا اس میں اصلاً ذکر نہیں ہے اور سفیان بن عیینہ اور زہری اور امام احمد نے اس کو منفرد پر محمول کیا ہے۔ اور جس طریق میں نافع یا محمود کا سوال وجواب مذکور ہے اس کو امام احمد اور یحییٰ بن معین اور ایک جماعت ائمہ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے۔ پھر صاحب تکمیل البرہان کو یہ بھی سوچنا چاہئے کہ محمود بن ربیع صحابی صغیر ہے اور نافع تابعی متوسط ہے۔

(کما فی التقریب مستور من الثالثۃ) ان دونوں کا حضرت عبادہ کی قرات خلف الامام پر انکار کرنا کیا بتلاتا ہے؟ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں نے حضرت عبادہ کے سوا کسی صحابی کو قرأت خلف الامام کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ ورنہ ان دونوں

کے نزدیک مقتدی کو قرات خلف الامام جائز تھی۔ اور نہ وہ اب تک قرات خلف الامام کے عادی تھے جبھی تو حضرت عبادہ کی قرات پر انکار کیا۔ تو اگر ایک صحابی سے قرات خلف الامام کا ثبوت ہو بھی گیا تو اس سے اہل حدیث کا مدعیٰ کیونکر ثابت ہو سکتا ہے۔ جب کہ اسی اثر سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس صحابی کے سوا دوسرے صحابہ قرات خلف الامام کے قائل نہ تھے۔

بارہواں اثر عبداللہ بن عباس کا ہے۔ کہ انھوں نے فرمایا امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھ لیا کرو۔ پھر اسی کو عیزار بن حریث کے واسطے سے نقل کیا گیا ہے، اس کی سند میں ابوبکر بر بہاری ہے جس پر دارقطنی اور محمد بن ابی الفوارس نے جرح کی ہے۔ اور ابوالبرقانی اور ابن السرخسی نے کذاب کہا ہے۔ ابوالحسن بن الفرات نے اس کو مخلط کہا ہے یعنی روایت میں گڑبڑ کرتا ہے۔ اس پر غفلت غالب تھی۔ ہم ابوجمرہ کے واسطے عبداللہ بن عباس کی روایت نقل کر چکے ہیں کہ ان سے سوال کیا گیا جب امام میرے آگے ہو تو میں بھی قرأت کر لیا کروں؟ فرمایا نہیں۔ اس کی سند حسن ہے۔ نیز ابن عباس ہی نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کو امام کی قرات کافی ہے خواہ وہ آہستہ پڑھے یا جہر کرے۔ اور اس کی سند بھی حسن ہے۔ پس یا تو ایک روایت کو رد کیا جائے اور دوسری کو قبول کیا جائے جو بھی نص قرآن اذا قرأ القرآن فاستمعوا له وانصتوا اور حدیث صحیح اذا قرأ الامام فانصتوا کے موافق ہے۔ یا دونوں کو اس طرح جمع کیا جائے کہ عبداللہ بن عباس مقتدی کے حق میں قرأت کو فرض نہیں سمجھتے تھے۔ امام کی قرات کو اس کیلئے کافی سمجھتے تھے اور نماز جہری میں امام سے پہلے یا سکتہ کے وقت قرأت کو مستحب جانتے تھے اسی طرح نماز سری میں بھی۔ اور اس سے حنفیہ بھی منع نہیں کرتے جیسا مفصل بار بار گزر چکا ہے۔

تیرہواں اثر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ ابو مریم کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مسعودؓ کو امام کے پیچھے پڑھتے ہوئے سنا۔ صاحب تکمیل کو یہ اثر نقل کرتے ہوئے شرمانا چاہیئے۔ کیونکہ اس میں نہ سورۃ فاتحہ کا ذکر ہے نہ کسی اور سورۃ کا، ممکن ہے وہ ثناء یعنی سبحانک اللھم وبحمدک الخ اور انی وجھت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین پڑھ رہے ہوں جو مقتدی امام کی قرأت سے پہلے پڑھا کرتا ہے۔ اس میں یہ کہاں ہے کہ وہ امام کی قرأت کے ساتھ کچھ پڑھتے تھے۔ عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کے اصحاب کا مذہب مشہور ہے کہ وہ قرات خلف الامام سے بہت سختی کے ساتھ منع کرتے تھے۔ چنانچہ ہم پہلے اچھی طرح واضح کر چکے ہیں۔ ہاں اگر امام لحان (غلط خواں جاہل) ہو تو اس کے پیچھے مقتدی کو قرات کی اجازت دیتے تھے۔ اور اس کے بعض فقہا حنفیہ بھی قائل ہیں۔

وروی الطبرانی فی الکبیر بسند رجاله ثقات عن ابی مسعود انه قال یا فلان لا تقرأ خلف الامام الا ان یکون اماما لا یقرأ (مجمع الزوائد) ای الا ان یکون الامام لحانا فحینئذ یجوز للمقتدی ان یقرأ خلفه وهذا وجه، ذهب الیه بعض اصحابنا۔ (عمدۃ القاری)

طبرانی نے بہ روایت ثقات عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے انھوں نے فرمایا۔ اے فلاں امام کے پیچھے قرأت نہ کرنا۔ مگر یہ کہ امام قاری نہ ہو (امّی ہو تو قرأت کر لیا کرو) مجمع الزوائد۔

اس کے بعد صاحب تکمیل نے ترمذی کی ایک عبارت نقل کردی ہے کہ حدیث عبادہ حدیث حسن صحیح ہے اور اصحاب رسول وغیرہ اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے ان ہی میں سے حضرت عمر فاروق رضؓ وجابر بن عبداللہ وعمران بن حصین رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔ ان سب کا قول اور فتویٰ یہی ہے کہ بغیر سورۃ فاتحہ کے نماز کام ہی کی نہیں بالکل بیکار ہے۔ اھ مگر حدیث عبادہ کے الفاظ نقل نہیں کئے اس کے الفاظ یہ ہیں:

عہ لا تجزی صلوٰۃ کا یہ ترجمہ ایجاد بندہ ہے اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ بغیر فاتحہ کے نماز کافی نہیں۔

لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب ۔ اس شخص کی نماز نہیں جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے۔

تو اس سے کس کو انکار ہے حنفیہ بھی کہتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے۔ گفتگو قرأت خلف الامام میں ہے کہ مقتدی پر بھی قرأت واجب ہے یا نہیں کہ حدیث عبادہ میں اس کا ذکر نہیں اور دوسری احادیث صحیحہ سے ہم بتلا چکے ہیں کہ مقتدی کے لئے امام کی قرأت کافی ہے۔ مقتدی کو خاموش رہنے کا حکم ہے۔ اور جس جگہ امام ترمذی نے قرأت خلف الامام کا ذکر کیا ہے۔ وہاں محمد بن اسحٰق کے واسطہ سے محمود بن ربیع کی حدیث حضرت عبادہ سے نقل کر کے جس میں لا تفعلوا الا بام القرآن آیا ہے۔ (کہ امام کے پیچھے نہ پڑھو مگر سورۂ فاتحہ) یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ اس حدیث کو زہری نے محمود بن ربیع سے حضرت عبادہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں روایت کیا ہے لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب وھذا اصح اس شخص کی نماز نہیں جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ جس میں اشارہ کر دیا کہ محمد بن اسحٰق کا لاصلوٰۃ الا بام القرآن زیادہ کرنا صحیح نہیں۔ پس گفتگو قرأت فاتحہ میں نہیں ہے کہ اس کا وجوب امام و منفرد پر متفق علیہ ہے۔ بلکہ قرأت خلف الامام میں گفتگو ہے۔ اور ہم بتلا چکے ہیں کہ حدیث عبادہ سے مقتدی پر قرأت خلف الامام کا وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ امام ترمذی نے باب ترک القرأت خلف الامام منعقد کر کے امام احمد بن حنبلؒ کا یہ قول نقل فرمایا ہے:۔ واما الامام احمد بن حنبل فقال معنی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب اذا کان وحدہٗ واحتج بحدیث جابر بن عبد اللہ حیث قال من صلی رکعۃ لم یقرأ فیھا بام القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام قال احمد فھذا رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔ تاول قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب ان ھذا اذا کان وحدہٗ اھ ص ۴۲ اھ۔

لیکن احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ حدیث عبادہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ اس شخص کی نماز نہیں جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس شخص کے لئے ہے جو تنہا نماز پڑھے اور حضرت جابر کی حدیث سے استدلال کیا وہ فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز کی کسی رکعت میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں، مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو۔

امام احمدؒ نے فرمایا کہ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس صحابی نے حدیث کا یہی مطلب بیان کیا ہے کہ جو شخص تنہا نماز پڑھے اس کی نماز بغیر قرأت فاتحہ کے نہیں ہوتی۔ مقتدی کے لئے اس کو عام نہیں سمجھا۔ تو یہ کہاں کا انصاف ہے کہ بیہقی وغیرہ کا قول تو حجت ہو اور امام احمدؒ کا قول حجت نہ ہو۔ اس کے بعد صاحب تکمیل البرہان نے جزو القرأت بیہقی سے حضرت عمران بن حصین کا قول نقل کیا ہے کہ کسی مسلمان کی نماز بغیر وضو اور بغیر رکوع اور بغیر سجود اور بغیر فاتحہ کے پاک نہیں ہوتی۔ امام کے پیچھے ہو یا اکیلا۔ اس اثر کے جملہ اجزا متفق علیہ ہیں۔ بجز وراء الامام وغیر الامام کے جس سے امام کے پیچھے قرأت فاتحہ کا ثبوت دیا گیا ہے۔

صاحب تکمیل کو لازم تھا کہ اس جزو کی صحت کو ثابت کرے کیونکہ اس کی سند میں زیاد بن ابی زیاد الجصاص ہے۔ جس کو امام احمدؒ اور یحییٰ بن معین اور علی بن مدینی اور ابوزرعہ اور ابوحاتم اور نسائی اور فضل غلابی اور دارقطنی اور ابن عدی نے ضعیف، متروک، مذموم، منکر الحدیث کہا ہے اور اس کے معارض وہ حدیث ہے جو امام بیہقی نے ہی سلمۃ بن فضل سے حجاج بن ارطاۃ سے قتادہ سے زرارۃ بن اوفی سے حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ اور ایک شخص آپ کے پیچھے قرأت کر رہا تھا... جب آپ فارغ ہوئے تو فرمایا مجھ سے میری سورۃ میں کون منازعت کر رہا تھا؟ پھر آپ نے امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع کر دیا۔ امام بیہقی نے اس میں یہ کلام کیا ہے کہ فنھی عن القرأت خلف الامام تنہا حجاج بن ارطاۃ نے اس حدیث میں زیادہ کیا ہے (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد قرأت خلف الامام سے منع کر دیا) میں کہتا ہوں حجاج بن ارطاۃ محمد بن اسحٰق سے زیادہ قوی ہے

جس کی روایت کو بیہقی اور اہل حدیث بار بار حجت میں پیش کرتے ہیں حجاج بن ارطاۃ سے امام مسلم نے مقروناً روایت کی ہے امام بخاری نے تعلیقاً اس سے استشہاد کیا ہے شعبہ اس کی بہت تعریف کرتے تھے اسی طرح حماد بن زید اور سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری نے اس کے تیقظ اور حفظ حدیث کی تعریف کی ہے جملہ ائمہ حدیث اس سے روایت کرتے ہیں ترمذی نے اس کی بعض احادیث کی تصحیح کی ہے اور کثرت کی تحسین کی ہے اور اس سے روایت کرنے والا سلمۃ بن الفضل بھی ثقہ ہے یحییٰ بن معین نے اس کی توثیق کی اسی طرح ابوداؤد اور ابن سعد اور امام احمد نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ پس جصاص کی روایت سے احتجاج کرنا اور حجاج بن ارطاۃ کی روایت سے اعراض کرنا انصاف سے بعید ہے اور اپنے مذہب کی حمایت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس کے بعد صاحب تکمیل نے تابعین کے فتاوی بھی نقل کئے ہیں گو اہل ظاہر کو تابعین کے اقوال سے احتجاج کرنا زیب نہیں دیتا جن کے نزدیک حدیث مرفوع کے سوا قول صحابی بھی حجت نہیں ہے۔

سب سے پہلے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا فتوی نقل کیا ہے مگر ترجمہ نہیں کیا کیوں کہ وہ مؤلف کے خلاف تھا حاصل اس کا یہ ہے کہ ان سے عبداللہ بن عثمان بن خثیم نے سوال کیا کہ کیا میں امام کے پیچھے قرارت کروں؟

فرمایا ہاں اگرچہ اس کی قرارت کو سنتے بھی ہو لوگوں نے آجکل نیا طریقہ نکالا ہے جو سلف نہیں کرتے تھے۔ سلف کا یہ طریقہ تھا کہ جب کوئی امام بنتا تھا وہ تکبیر (تحریمہ) کہہ کر خاموش رہتا تھا یہاں تک کہ اس کے خیال میں مقتدی اس کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھ چکے ہوں پھر وہ قرارت شروع کرتا اور لوگ خاموش رہتے۔

میں کہتا ہوں اس اثر میں سلف کا جو طریقہ بیان کیا ہے اس میں تصریح ہے کہ وہ امام کے ساتھ قرارت نہ کرتے تھے بلکہ سکتہ امام میں قرارت کرتے اور امام کی قرارت کے وقت خاموش رہتے تھے۔ اور اس صورت میں کوئی اختلاف نہیں سکتہ امام میں قرارت کو ہم بھی جائز کہتے ہیں اور وجوب کی کوئی دلیل نہیں کیوں کہ امام پر سکتہ طویلہ کا واجب ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں۔ علامہ ابن تیمیہ کے حوالہ سے اس کا ذکر گزر چکا ہے اور خود سعید بن جبیر کا جو قول بیان کیا گیا ہے اس کے خلاف مصنف ابن ابی شیبہ میں بواسطہ ہشیم کے سعید بن جبیر کا یہ فتوی مذکور ہے کہ ان سے قرارت خلف الامام کی بابت سوال کیا گیا تو فرمایا امام کے پیچھے قرارت نہیں ہے اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں جن سے اصحاب صحاح نے احتجاج کیا ہے۔ پس ان کا جو فتوی نص قرآن اور حدیث صحیح اذا قرا الامام فانصتوا کا موافق ہوگا وہی راجح اور صحیح ہوگا اس کے بعد امام ابو حنیفہ رح کے استاد حماد بن ابی سلیمان کا فتوی نقل کیا گیا ہے کہ ان سے نماز ظہر اور عصر میں (صاحب تکمیل نے یہ جملہ حذف کر دیا ہے مغالطہ دینا اس کو کہتے ہیں) قرارت خلف الامام کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا سعید بن جبیر پڑھتے تھے میں نے کہا آپ کا فتوی کیا ہے؟ فرمایا میں بھی اس کو پسند کرتا ہوں کہ قرارت کرو۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سعید بن جبیر صرف ظہر و عصر میں قرارت خلف الامام کے قائل تھے اسی کو حماد نے پسند کیا اور ایک روایت میں جس کو صاحب ہدایہ نے امام محمد سے نقل کیا ہے امام ابو حنیفہ نے بھی اس کو پسند کیا ہے گفتگو صرف اس صورت میں ہے کہ امام قرارت جہر سے کر رہا ہو اس کے متعلق صاحب تکمیل کے پاس کوئی دلیل نہیں کہ اس حالت میں بھی مقتدی پر قرارت واجب ہے۔

اس کے بعد مکحول شامی کا فتوی نقل کیا گیا ہے مگر ظاہر ہے کہ مکحول نے صرف دو تین صحابہ کو دیکھا ہے ان کے فتوے کی محمد بن سیرین کے فتوے کے سامنے کوئی حیثیت نہیں۔ جو فرماتے ہیں کہ میں امام کے پیچھے قرارت کرنے کو سنت نہیں سمجھتا (بسند صحیح ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے ہم بیان کر چکے ہیں۔ رہا امام بخاری کا جزء القرارت میں یہ فرمانا کہ تابعین میں سے

فلاں فلاں دگیارہ حضرات) قرارت خلف الامام کے قائل وعامل تھے" اس کے متعلق سند اور الفاظ کا سامنے ہونا ضروری ہے کیوں کہ ممکن ہے وہ حضرات نماز سری میں یا جہری کے سکتات امام میں قرارت کے قائل ہوں اور اس کو ہم بھی منع نہیں کرتے امام بخاری نے بہت سے صحابہ اور تابعین کا نام قرارت خلف الامام کے قائلین میں شمار کردیا ہے حالانکہ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ وہ مطلقاً اس کے قائل نہ تھے بلکہ نماز سری میں یا جہری کے سکتات میں قرارت خلف الامام کے قائل تھے اور ہم بار بار بتلا چکے ہیں کہ اس صورت میں نزاع نہیں۔ چنانچہ صاحب تکمیل نے حضرت سعید بن جبیر اور ابو سلمہؓ اور حسن بصریؒ کا فتویٰ اپنی تائید میں نقل کردیا حالانکہ اول و دوم سکتہ امام میں قرارت کے قائل ہیں اور امام حسن بصری فی نفسک کی قید بڑھاتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ اپنے دل میں پڑھ لیا کرو اور اس کو کوئی منع نہیں کرتا۔ صاحب تکمیل کا یہ ترجمہ کہ "آہستہ پڑھ لیا کرو" ہم پر حجت نہیں پھر جزء القرارت امام بخاری کے حوالہ سے یہ بھی لکھدیا کہ حسن بصری وسعید بن جبیر اور میمون بن مہران وغیرہ بے شمار تابعین نے امام کے پیچھے قرارت کرنے کو کہا ہے" حالانکہ حسن بصری اور سعید بن جبیر کے الفاظ سے سکتہ امام کے وقت یا دل میں پڑھنے کی قید صاف مذکور ہے عطار بن ابی رباح کا فتویٰ حنفیہ کے موافق ہے اہل حدیث کے موافق نہیں وہ فرماتے ہیں کہ جب امام جہر سے قرارت کرے تو مقتدی جلدی کرے اور امام کے سکوت میں سورہ فاتحہ پڑھ لے اور جب امام قرارت کرے تو خاموش رہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ عطار بن ابی رباح کے نزدیک آیت واذا قرأ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا قرارت خلف الامام کے متعلق نازل ہوئی ہے اور مقتدی پر امام کی قرارت کے وقت خاموش رہنا واجب ہے۔ رہا مجاہد کا فتویٰ کہ جو شخص امام کے پیچھے قرارت نہ کرے اس کو نماز کا اعادہ کرنا چاہیئے اسی طرح عبداللہ بن زبیر نے فرمایا کہ اس میں سورۃ فاتحہ کا ذکر نہیں نہ اس کا ذکر ہے کہ امام کے ساتھ ساتھ قرارت کرے یا اس کے سکوت کے وقت۔ اس لئے اس سے حجت قائم نہیں ہوسکتی۔ ہم نے گزشتہ اوراق میں امام احمد کا قول کتاب المغنی سے نقل کردیا ہے کہ مقتدی کے ذمہ امام کے پیچھے قرارت کا واجب نہ ہونا اجماعی مسئلہ ہے امام احمد فرماتے ہیں کہ ہم نے اہل اسلام میں سے کسی کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ جب امام قرارت جہر کرے اور اس کے پیچھے مقتدی قرارت نہ کرے تو اس کی نماز صحیح نہ ہوگی فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ وتابعین اور اہل حجاز میں امام مالک اور اہل عراق میں سفیان ثوری اور اہل شام میں اوزاعی اور اہل مصر میں لیث (بن سعد) ان میں سے کوئی نہیں کہتا کہ جس نے امام کے پیچھے قرارت نہ کی ہو اور امام نے قرارت کی ہو تو نماز باطل ہے اھ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد کے نزدیک یا تو مجاہد اور عبداللہ بن زبیر کا فتویٰ مذکورہ بسند صحیح ثابت نہیں یا اس کا وہ مطلب صحیح نہیں جو اہل حدیث نے سمجھا ہے۔ اسی طرح

صاحب تکمیل نے تمہید ابن عبدالبر سے امام اوزاعی اور لیث بن سعد کا جو فتویٰ نقل کیا ہے کہ وہ مقتدی کے ذمہ قرارت خلف الامام کو ضروری سمجھتے تھے قابل قبول نہیں۔ کیوں کہ امام احمد بن حنبل اقوال علمار کو ان سے زیادہ جانتے ہیں

امام لیث بن سعد مصری کے متعلق تاریخ ابن خلکان میں ہے کہ وہ حنفی تھے معانی الآثار طحاوی میں باب قرارت خلف الامام میں لیث بن سعد کی روایت امام یوسفؒ سے امام ابوحنیفہؒ سے موسیٰ بن ابی عائشہؓ سے عبداللہ بن شداد سے حضرت جابر بن عبداللہ سے موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من کان لہ امام فقرأۃ الامام لہ قرأۃ جو شخص امام کے ساتھ (نماز پڑھتا) ہو تو امام کی قرارت اس کے لئے قرارت ہے۔

لیث بن سعد فرماتے ہیں کہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام سنتا تھا اور ان سے ملنے کا مشتاق تھا پھر میں نے مکہ میں

ان کو اس حال میں پایا کہ لوگ ان پر ہجوم کئے ہوئے تھے اور مسائل شرعیہ میں) فتویٰ طلب کر رہے تھے اسی حالت میں ایک شخص نے ان کو
خاص حاجت میں فتویٰ پوچھا تو مجھے انکے فی البدیہ جواب سے بڑا تعجب ہوا (فیض صفحہ ۱۲۰ ج ۱) اس سے بھی ان کا حنفی ہونا ثابت ہو سکتا
تو ممکن ہے امام ابو حنیفہ کی روایت کردہ حدیث سننے سے پہلے وہ قرارت خلف الامام کے قائل ہوں جب یہ حدیث سنی کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص امام کے ساتھ نماز پڑھے اس کے لئے امام کی قرارت کافی ہے، اس کے بعد قرارت خلف الامام
کے قائل نہیں رہے۔ ترمذی سے عبداللہ بن مبارک کا جو قول نقل کیا گیا ہے کہ میں امام کے پیچھے قرارت کرتا ہوں اور لوگ بھی
قرارت کرتے ہیں مگر کوفہ والوں میں سے ایک قوم۔ تو یہ بھی عبداللہ بن مبارک کا ارشاد دلائل اہل عراق سننے سے پہلے ہوگا کیونکہ
بعد میں ان کا حنفی مذہب اختیار کرنا دنیا کو معلوم ہے۔
بعد میں ان کا حنفی مذہب اختیار کرنا دنیا کو معلوم ہے۔ بعض لوگوں نے صرف اس لئے کہ وہ امام مالک سے روایت
مورخین اور اصحاب طبقات نے ان کو حنفیہ میں شمار کیا ہے
کرتے ہیں مالکیہ میں شمار کر دیا ہے مگر ان کی فقہی کتابیں اقوال ابو حنیفہ سے مزین و مملو ہیں امام مالک کا قول شاذ و نادر ہی بیان
کرتے ہیں۔ ان کے اس قول سے الا قوم من الکوفیین (مگر کوفہ والوں میں سے ایک قوم) یہ سمجھنا کہ کوفہ والوں میں سے صرف ایک
جماعت قرارت خلف الامام نہیں کرتی تھی باقی سب کرتے تھے۔ صاحب تکمیل کی خوش فہمی ہے۔ اہل کوفہ عبداللہ بن مسعود
اور انکے اصحاب اور اصحاب علی رض کے مسلک پر تھے اور ان حضرات کا مذہب ترک قرارت خلف الامام مشہور و معروف ہے
صاحب تکمیل کو علامہ ابن تیمیہ کا قول پھر یاد کر لینا چاہیے جو ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ "جو لوگ امام کے ساتھ قرارت سے (مقتدی کو)
(منع کرتے ہیں ان کے ساتھ جمہور سلف و خلف ہیں اور ان کی تائید میں کتاب اللہ اور سنت صحیحہ بھی ہے اور جو لوگ مقتدی
پر امام کے ساتھ قرارت کو واجب کہتے ہیں ان کی حدیث کو ائمہ (حدیث) نے ضعیف قرار دیا ہے اور حدیث ابو موسیٰ میں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد واذا قرأ فانصتوا (جب امام) قرارت کرے تو خاموش رہو امام احمد و اسحٰق (بن راھویہ) اور امام
مسلم وغیرہ کے نزدیک صحیح ہے بخلاف اس حدیث کے (جس سے قرارت فاتحہ خلف الامام کا وجوب ثابت کیا جاتا ہے اس کو صحیح میں
شامل نہیں کیا گیا اور چند وجوہ سے اس کا ضعیف ہونا ثابت ہو چکا ہے اور وہ صرف عبادۃ بن الصامت کا قول ہے اور رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں) اس کے بعد صاحب تکمیل نے قرارت فاتحہ خلف الامام کا ثبوت ائمہ کرام کے اقوال سے دینا چاہا ہے
جن میں امام مالک اور امام احمد کو بھی شامل کر لیا ہے حالانکہ کتاب المغنی کے حوالہ سے ہم بتلا چکے ہیں کہ امام احمد کا قول ہے
قرارت فاتحہ خلف الامام ہرگز نہیں وہ تو اس بات پر اجماع نقل کرتے ہیں کہ مقتدی کے ذمہ قرارت فاتحہ کسی کے نزدیک
بھی واجب نہیں اور جہری نماز میں تو امام مالک اور احمد بن حنبل امام کے پیچھے قرارت کو ناجائز کہتے اور مقتدی کو خاموش
رہنے کا حکم دیتے ہیں البتہ سری نماز میں قرارت خلف الامام کی اجازت دیتے ہیں۔ بقیہ ائمہ کرام کا مذہب بھی آپ نے یونہی
نقل کیا ہوگا جیسا امام احمد اور مالک کا مذہب نقل کیا ہے اس لئے جب تک انکے الفاظ سامنے نہ ہوں اس وقت تک فیصلہ نہیں
ہو سکتا کیونکہ صاحب تکمیل نے امام زہری کا نام بھی اسی فہرست میں شمار کر دیا ہے حالانکہ ہم مؤطا مالک اور جزء القرأت بیہقی کے
حوالہ سے دکھلا چکے ہیں کہ زہری نماز جہری میں قرارت خلف الامام کو سختی سے منع کرتے تھے امام مسلم کا اپنی جامع صحیح میں (واذا
قرأ الامام فانصتوا) کی روایت کو داخل کرنا اور حدیث ابی موسیٰ والی ہریرہ میں اس زیادت کو صحیح قرار دینا بتلا رہا ہے کہ امام مسلم کے
نزدیک قرارت خلف الامام نہیں ہے بلکہ مقتدی کو خاموش رہنا ضروری ہے اس کے خلاف جب تک ان کے صاف الفاظ نہ ہوں
اس وقت تک ان کو قرارت فاتحہ خلف الامام کرنے والوں میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ امام نووی کی جو عبارت صاحب تکمیل نے

نقل کی ہے کہ جمہور علماء سلف وخلف کے نزدیک ہر رکعت میں فاتحہ پڑھنا واجب ہے اس میں قراءت خلف الامام کا ذکر نہیں صرف قراءت فاتحہ کا ذکر ہے اور اس کو ہم بھی امام اور منفرد کے حق میں واجب کہتے ہیں شاہ ولی اللہ صاحب کا مسلک حجۃ اللہ البالغہ سے ہم نقل کر چکے ہیں کہ نماز جہری میں ان کے نزدیک مقتدی کو خاموش رہنا واجب ہے وہ صرف سری نمازوں میں یا جہری کے سکتات میں قراءت خلف الامام کی اجازت دیتے ہیں اور اس میں کسی کو خلاف نہیں اسی طرح تفسیر خازن سے جو عبارت نقل کی گئی ہے اس میں بھی قراءت خلف الامام کا ذکر نہیں صرف قراءت فاتحہ کا وجوب مذکور ہے اور اس میں گفتگو نہیں محل نزاع قراءت فاتحہ خلف الامام ہے بغرض امام نووی ہوں یا بغوی ان سب نے فقط سورۂ فاتحہ کا واجب ہونا بیان کیا ہے اس کو حنفیہ بھی مانتے ہیں گفتگو اس میں ہے کہ امام کی قراءت سے یہ واجب مقتدی کے ذمہ سے ادا ہوتا ہے یا نہیں؟ سو امام احمد کے قول سے معلوم ہو چکا ہے کہ اہل اسلام میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ امام کے ساتھ اگر مقتدی قراءت نہ کرے تو اس کی نماز باطل ہے پس صاحب تکمیل کا وجوب فاتحہ کے اقوال سے قراءت فاتحہ خلف الامام پر استدلال کرنا محض مغالطہ ہے امام رازی کا حدیث قسمت الصلوٰۃ بینی وبین عبدی سے رکنیت فاتحہ پر استدلال کرنا جو وزن رکھتا ہے اہل علم اس کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ کیوں کہ خبر واحد سے رکنیت ثابت کرنا ان ہی لوگوں کا کام ہے جو رکن اور واجب کے فرق سے ناواقف ہیں پھر اس حدیث سے یہ بھی تو ثابت ہوتا ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورۂ فاتحہ کا جزو نہیں جو امام رازی اور جملہ اہل حدیث کے خلاف ہے جو جواب وہ اس کا دیں گے وہی ہماری طرف سے جواب ہوگا۔ رہا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور خلفائے راشدین نے نماز میں قراءت فاتحہ پر مواظبت اور مداومت کی ہے سو اس سے صرف امام اور منفرد پر قراءت فاتحہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے اور حنفیہ اس کے قائل ہیں قراءت فاتحہ خلف الامام کا وجوب اس سے کیوں کر معلوم ہوا؟ جبکہ حدیث صحیح میں مقتدی کو امام کے پیچھے خاموش رہنے کا حکم ہے۔ اذا قرأ الامام فانصتوا۔ اور نص قرآن سے بھی مقتدی پر استماع وانصات کا وجوب ثابت ہے واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا۔ اور ہم بار بار بتلا چکے ہیں کہ بالاجماع یہ آیت قراءت خلف الامام سے منع کرنے میں نازل ہوئی ہے۔

نیز ہم نے کتاب کشف الاسرار کے حوالہ سے گزشتہ اوراق میں بتلا دیا ہے کہ حضرات صحابہ میں سے دس حضرات نے سختی کے ساتھ قراءت خلف الامام سے منع کیا ہے جن میں خلفائے اربعہ بھی داخل ہیں۔ اس کے بعد صاحب تکمیل نے قراءت خلف الامام کا ثبوت مشائخ کرام وصوفیہ عظام کے اقوال سے دینا چاہا ہے مگر یہاں بھی وہی مغالطہ دیا ہے کہ بعض حضرات نے قراءت سورۂ فاتحہ کو ضروری فرمایا تھا۔ آپ نے اس سے قراءت فاتحہ خلف الامام پر دلیل قائم کر دی حالانکہ قراءت فاتحہ کے واجب ہونے میں کسی کو کلام نہیں گفتگو قراءت خلف الامام میں ہے سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے اسی طرح خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی اور خواجہ معین الدین چشتی اور خواجہ شہاب الدین سہروردی کے اقوال سے صرف قراءت فاتحہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے نہ کہ قراءت خلف الامام کا۔ سلطان نظام الدین اولیاء کے تذکرہ سے نقل کیا گیا ہے۔ لکنہ یجوز القراءۃ بالفاتحۃ خلف الامام فی الصلوٰۃ وکان یقرأہا فی نفسہ کہ وہ حنفی تھے لیکن قراءت فاتحہ خلف الامام کو جائز کہتے تھے اور فی نفسہ قراءت کرتے تھے صاحب تکمیل کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آہستہ پڑھتے تھے ہمارے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ دل میں پڑھتے یا امام کی قراءت سے پہلے یا اس کے سکتہ میں تنہا قراءت کرتے تھے ساتھ ساتھ قراءت نہ کرتے تھے اگر وہ نماز جہری میں امام کے ساتھ قراءت کرتے تھے تو اس کا واضح ثبوت پیش کرنا چاہیے اور یہ بھی

بتلانا چاہیے کہ حضرات صحابہ و تابعین وائمۂ مجتہدین اور جمہور سلف و خلف کے مقابلہ میں ان حضرات کی رائے کیا وزن رکھتی ہے؟
اس کے بعد صاحب تکمیل نے قرات خلف الامام کا ثبوت امام ابو حنیفہ اور علما احناف کے اقوال سے دینا چاہا ہے سب سے پہلے علامہ شعرانی کی میزان کبریٰ کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ قرأت فاتحہ خلف الامام کے بارے میں امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے دو قول ہیں ایک یہ کہ مقتدی کو الحمد پڑھنا واجب ہے نہ سنت یہ انکا پہلا قول ہے اور یہی مشہور ہو گیا دوسرا قول یہ ہے کہ بر سبیل احتیاط سری نمازں میں قرأت فاتحہ مستحسن ہے مکروہ نہیں الخ اس پر صاحب تکمیل کا یہ حاشیہ کہ "یار لوگوں نے اس رجوع کو (یعنی دوسرے قول کو) مشہور نہ ہونے دیا جس کے باعث مسلمانوں میں فرقہ بازی دھڑا بندی قائم ہو گئی" سراسر لغو ہے کیوں کہ اول تو دونوں قولوں میں کچھ تعارض نہیں پچھلے قول میں وجوب اور سنیت کی نفی تھی دوسرے میں استحباب کا ذکر ہے کوئی بتلائے کہ ان میں تعارض کیا ہوا؟ پھر ہدایہ میں جو فقہ حنفی کی مشہور کتاب اور داخل درس ہے یہ دوسرا قول مذکور ہے کہ امام محمد نے احتیاطاً سری نمازوں میں قرأت فاتحہ کو مستحسن قرار دیا ہے۔ ہدایہ سے زیادہ کونسی کتاب فقہ حنفی میں مشہور ہے؟......
تو یہ کہنا غلط ہے کہ یار لوگوں نے دوسرے قول کو مشہور نہ ہونے دیا۔

پھر شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اور حضرت فقیہ الامت رشید الملت قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب سبیل الرشاد میں اس کی تصریح کی ہے کہ جہری کے سکتات میں قرات فاتحہ خلف الامام جائز ہے۔ امام کے ساتھ ساتھ جہری نماز میں قرات کرنا مقتدی کو منع ہے۔ صاحب تکمیل کا یہ کہنا کہ جب امام صاحب اپنے ایک قول کو غلط سمجھ کر اس سے رجوع کر چکے پھر ان کے ذمہ اس کو لگانا اور اس پر مباحثے اور مناظرے کر کے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا کہاں تک دیانت وانصاف ہے الخ سراسر لغو ہے امام صاحب نے اپنے پہلے قول سے رجوع نہیں فرمایا رجوع کی ضرورت تھی کیونکہ امام احمد بن حنبل کے قول سے ظاہر ہو چکا ہے کہ "اہل اسلام میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ جب امام قرأت کر رہا ہو اس وقت مقتدی کے ذمہ قرأت واجب ہے اور اگر وہ قرأت نہ کرے تو اس کی نماز فاسد ہے"
امام صاحب نے دوسرے قول سے صرف سری نمازوں میں احتیاطاً قرات فاتحہ کو مستحسن اور مستحب فرمایا ہے جیسا صاحب ہدایہ نے امام محمد سے نقل کیا ہے اور یہ پہلے قول کے معارض نہیں اور جملہ کتب شروح میں یہ قول مذکور ہے رہا اس مسئلہ میں مناظرے اور مباحثے کرنا تو اس کی ابتدا جماعت اہل حدیث سے کی طرف سے ہوئی ہے انھوں نے صاحب تکمیل البرہان کی طرح حنفیوں کی نمازوں کو فاسد باطل۔ بیکار کہہ کر آسمان سر پر اٹھا لیا محض اس لئے کہ وہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے تو علماء احناف کو اس کا جواب دینے کی ضرورت پیش آئی جیسا اس وقت اس ناچیز کو تکمیل البرہان کے جواب میں قلم اٹھانا پڑا اگر جماعت اہل حدیث مسائل خلافیہ میں اس قدر شدت کے ساتھ نزاع نہ کرتی تو حنفیہ کو مناظرہ ومباحثہ کی اسا ضرورت نہ تھی۔ آخر مکہ و مدینہ میں بھی تو شافعیہ موجود ہیں جو قرأت فاتحہ خلف الامام کو فرض جانتے ہیں مگر حنفیہ کی نمازوں کو باطل وفاسد نہیں کہتے وہ جانتے ہیں کہ مسئلہ اختلافی ہے حنفیہ کے پاس بھی قرآن وحدیث اور عمل سلف وخلف سے دلائل موجود ہیں اس لئے کسی کو حق نہیں کہ ایک دوسرے کے مسلک کو باطل اور نمازوں کو فاسد قرار دے اس لئے وہاں ان مسائل میں مناظرہ ومباحثہ کی کبھی نوبت نہ آئی۔ پاکستان یا ہندوستان میں اس کی نوبت جماعت اہل حدیث کی دریدہ دہنی کی وجہ سے پیش آئی والبادی اظلم غیث الغمامہ کے حوالے سے علامہ عینی کا جو قول شرح بخاری سے نقل کیا گیا ہے اس میں یہ لفظ تو ہے علی ان بعض اصحابنا استحسنوا ذالک علی سبیل الاحتیاط فی جمیع الصلوات ومنہم من استحسنہا فی غیر الجہریہ ومنہم من رای ذالک اذا کان الامام لیا انا (ص ۱۲ ج ۲) پھر ہمارے بعض صحاب

(قراءت خلف الامام) کو بر سبیل احتیاط تمام نمازوں میں اور بعض نے سری نمازوں میں اور بعض نے امام [illegible] کے پیچھے مستحسن سمجھا ہے اور ۔ مگر واجب نہیں سمجھا اور جہری نمازوں میں امام کی قراءت کے ساتھ مقتدی کو قراءت کی اجازت نہیں دی بلکہ اس کی قراءت سے پہلے یا پیچھے اجازت دی ہے تاکہ فرض انصات فوت نہ ہو کیوں کہ مقتدی کے ذمہ قراءت امام کے وقت سننا اور خاموش رہنا واجب ہے جس کی علامہ عینی نے اسی مقام پر تصریح کر دی ہے۔ مگر علامہ عینی کی عبارت میں اس جگہ لفظ علیہ فقہاء الحجاز والشام نہیں ہے (کہ فقہاء حجاز و شام بھی اسی پر ہیں) اگر غیث الغمام میں اس جگہ یہ لفظ موجود ہے تو علامہ عینی کی طرف نسبت صحیح نہیں اور اگر اس میں بھی یہ لفظ نہیں ہے تو یہ صاحب تکمیل کی ایجاد ہے۔ علامہ عینی کی عبارت میں جس جگہ فقہاء حجاز و شام کا ذکر ہے وہ صاحب تکمیل کے لئے مفید نہیں بلکہ مضر ہے۔ ان کی عبارت ملاحظہ ہو۔ وقال الثوری والاوزاعی فی روایۃ وابوحنیفۃ وابو یوسف ومحمد واحمد فی روایۃ وعبد اللہ بن وھب واشھب لا یقرأ المؤتم شیئاً من القرآن ولا بفاتحۃ الکتاب فی شیء من الصلوات وھو قول ابن المسیب وجماعۃ من التابعین وفقہاء الحجاز والشام علی انہ لا یقرأ معہ فیما یجہر بہ وان لم یسمع ویقرأ فیما یسر فیہ والامام اھ [illegible] ج ۲ ۔ امام سفیان ثوری کا اور امام اوزاعی کا ایک روایت میں اور امام ابوحنیفہ وابو یوسف اور محمد کا اور امام احمد کا ایک روایت میں اور عبد اللہ بن وہب اور اشہب کا قول یہ ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے کچھ قراءت نہ کرے سورۂ فاتحہ بھی کسی نماز میں نہ پڑھے اور یہی قول سعید بن المسیب اور تابعین کی ایک جماعت کا ہے۔ اور فقہاء حجاز و شام کا مسلک یہ ہے کہ مقتدی جہری نمازوں میں (امام کے پیچھے) قراءت نہ کرے اگرچہ اس کی قراءت کو سنتا بھی نہ ہو اور سری نمازوں میں قراءت کرے۔ اس کے بعد مولانا عبد الحی لکھنوی اور شیخ التسلیم وغیرہ کے حوالہ سے جو کچھ لکھا گیا ہے سب کے اقوال میں صرف سری نمازوں میں قراءت خلف الامام کا استحسان ہے چنانچہ مولانا عبد الحی رح ملا جیون رح استاد عالمگیر رح کی عبارتوں میں امام محمد کے قول کا حوالہ صراحتاً موجود ہے اور امام محمد کے قول میں سری نمازوں کی قید صراحتاً مذکور ہے اور اس میں کسی کو نزاع نہیں بلکہ ہم تو جہری نمازوں میں بھی امام کی قراءت سے پہلے یا پیچھے مقتدی کو قراءت فاتحہ کی اجازت دیتے ہیں البتہ امام کے ساتھ ساتھ پڑھنے کو منع کرتے ہیں۔ کہ اس صورت میں فرض انصات فوت ہوتا ہے جس کی قرآن وحدیث میں تاکید ہے۔ امام رازی کا یہ قول کہ امام ابوحنیفہؒ نے اس امر میں ہماری موافقت کی ہے کہ امام کے پیچھے الحمد پڑھنے سے نماز باطل نہیں ہوتی اھ۔ صاحب تکمیل کے لئے مفید نہیں کیوں کہ الحمد پڑھنے کی صورت میں نماز کے باطل نہ ہونے سے قراءت خلف الامام کا استحباب یا وجوب کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا اس کے بعد دفع دخل مقدر کے طور پر صاحب تکمیل نے ملا علی قاری اور امام ابن الہمام کے اقوال کو مولانا عبد الحی لکھنوی کی عبارت سے رد کیا ہے اہل علم سمجھ سکتے ہیں کہ امام ابن الہمام اور ملا علی قاری کے سامنے مولانا عبد الحی کا کیا درجہ ہے؟ اس پر صاحب تکمیل کا خوش ہونا اور علماء حنفیہ کو الزام دینا بجز الغریق یتشبث بالحشیش کے اور کیا ہے؟ اس کے بعد ان کا یہ کہنا کہ "زیادہ افسوس تو ان علماء حنفیہ پر آتا ہے جو احادیث صحاح ستہ پر متوجہ نہیں ہوتے بلکہ حمیت مذہبی کی وجہ سے روایات موضوعہ ومکذوبہ و آثار مختلقہ و باطلہ کو اپنی تصنیفات و تحریرات و حواشی میں درج کر کے اپنے عوام وجہلاء کو فتنے میں ڈالتے ہیں اھ۔

یہ ہے وہ طرز کلام جو جماعت اہل حدیث کے اکثر افراد کا شیوہ ہے یہی لوگ۔ فروعی مسائل میں شدت کے ساتھ نزاع کرنے والے ہیں... کیا صاحب تکمیل کو نظر نہیں آیا کہ علماء حنفیہ قراءت خلف الامام سے منع کرنے کے لئے سب سے پہلے

قرآن کریم کی آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا پیش کرتے ہیں اور ہم بتلا چکے ہیں کہ بالاجماع اور بالاتفاق یہ آیت قرأت خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس کے بعد حدیث صحیح انما جعل الامام لیؤتم به فاذا کبر فکبروا واذا قرأ فانصتوا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اتباع کی جائے تو جب وہ تکبیر کہے تکبیر کہو اور جب قرأت کرے خاموش رہو) جس کو امام مسلم نے صحیح قرار دیا اور ابوداؤد نے سند صحیح سے روایت کیا ہے تو کیا مسلم وابوداؤد صحاح ستہ سے خارج ہیں؟ پھر وہ حدیث صحیح من کان له امام فقراءة الامام له قراءة — سے استدلال کرتے ہیں اس حدیث کو ابن ماجہ نے سنن میں، احمد بن منیع نے اپنی مسند میں امام محمد نے موطا اور کتاب الآثار میں روایت کیا ہے - پھر موطا امام مالک اور ترمذی اور مصنف ابن ابی شیبہ ومصنف عبدالرزاق وغیرہ سے صحابہ وتابعین کے آثار بیان کرکے سلف وخلف کے تعامل سے اپنے مذہب کی تائید بیان کرتے ہیں تو کیا صاحب تکمیل کے نزدیک موطا امام مالک اور ترمذی وغیرہ کی یہ حدیثیں موضوع ومکذوب اور باطل ہیں؟ کچھ تو خدا کا خوف اور شرم وحیا کا پاس کرکے بات کرنا چاہیے اور یہ ساری دلیری اور بیباکی اس بر تر ہے کہ خود صاحب تکمیل نے اپنے دلائل میں جزء القراءت بیہقی سے بہت سی احادیث وآثار ایسے نقل کئے ہیں جن کی سند ضعیف اور واہی ہے جیسا گذشتہ اوراق میں مفصل گذر چکا ہے - اس کے بعد مولانا عبدالحئی لکھنوی کا یہ قول نقل کرکے کہ بعض فقہاء نے جو یہ کہا ہے کہ قرأت خلف الامام سے مقتدی کی نماز باطل ہوجاتی ہے یہ قول شاذ ومردود ہے امام محمد سے مروی ہے کہ انہوں نے مقتدی کے لئے سری نمازوں میں قرأت فاتحہ کو مستحسن سمجھا ہے الخ عوام کو یہ دھوکہ دیا گیا ہے کہ مولانا عبدالحئی رح اور امام محمد رح مقتدی کے ذمہ قرأت فاتحہ کو واجب سمجھتے ہیں حالانکہ مولانا عبدالحئی رح کی عبارت میں سری نمازوں کی تصریح موجود ہے اور جہری نمازوں میں سکتات امام کی قید بھی مذکور ہے تاکہ استماع وانصات میں خلل واقع نہ ہو اس کے بعد جن علماء احناف سے قرأت خلف الامام کا جواز نقل کیا گیا ہے وہ سب سری نمازوں میں اور جہری نمازوں میں سکتات امام کے ساتھ مقید ہے علماء حنفیہ میں امام کے ساتھ ساتھ فرض انصات کو ترک کرکے جواز قرأت کا کوئی بھی قائل نہیں۔

اس کے بعد صاحب تکمیل نے مانعین قرأت فاتحہ خلف الامام کے دلائل سے بھی تعرض کیا ہے اور سب سے پہلے آیت قرآن واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا[1] کو پیش کرکے اپنی طرف سے ایک جواب دیا ہے مگر یہ کیا ضروری ہے کہ صاحب تکمیل کے جواب سے استدلال کرنے والے کی تشفی بھی ہوجائے - جواب تو ہر شخص ہر دلیل کا دے سکتا ہے یہ کیا ضروری ہے کہ صاحب تکمیل کے جواب سے استدلال کرنے والے کی تشفی بھی ہوجائے - جواب تو ہر شخص ہر دلیل کا دے سکتا ہے یہ کیا ضروری ہے کہ ہر جواب صحیح بھی ہو - پھر ان لوگوں کو جو قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کررہے ہیں دریدہ دہنی کے ساتھ مذہب پرست استخوان فروش وغیرہ وغیرہ کلمات واہیہ سے یاد کرنا اور ان کے دلائل کو روایات موضوعہ ومکذوبہ پر مبنی کہنا کہاں کی تہذیب اور دیانت وانصاف ہے؟ ہم بتلا چکے ہیں کہ بالاتفاق یہ آیت قرأت خلف الامام سے منع کرنے کے متعلق نازل ہوئی ہے امام احمد بن حنبل نے اس کی تصریح کی ہے اور تفسیر طبری وغیرہ سے بھی بہت آثار ہم نے گزشتہ اوراق میں بسند صحیح وحسن نقل کردیئے ہیں -

[1] تفوہ کا ترجمہ صاحب تکمیل نے سخت بکواس کیا ہے یہ بے ادبی گستاخی انہی کو مبارک ہو لفظ تفوہ کے معنی تکلم اور نطق سے زیادہ نہیں ۱۲

[2] اور جب قرآن پڑھا جائے اس کو سنو اور خاموش رہو -۱۲

جن سے یہ بات واضح ہے کہ لوگ پہلے قرارت خلف الامام کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی صاحب تکمیل کا یہ کہنا کہ "برادران

احناف فاتحہ خلف الامام پڑھنے کی احادیث کو آیت ہذا کا معارض سمجھ کر ان احادیث کو نہیں مانتے الخ" بالکل غلط ہے بلکہ ہم

ان احادیث کو امام یا منفرد پر محمول کرتے ہیں اور مقتدی کو امام کی قرارت کی وجہ سے قاری شمار کرتے ہیں نہ تارک قرارت

نہیں مانتے کیوں کہ مسلم اور ابو داؤد کی صحیح حدیث میں اذا قرأ الامام فانصتوا اصالۃً موجود ہے کہ جب امام قرارت کرے

تم خاموش رہو۔ اور ابن ماجہ و موطا محمد و مسند احمد بن منیع میں صحیح حدیث موجود ہے۔

من کان لہ امام فقراءۃ لہ قراءۃ جو شخص امام کے ساتھ ہو امام کی قرارت اس کے لئے قرارت ہے۔ حنفیہ

حضرت عبادہ کی حدیث صحیح کو ہرگز نہیں چھوڑتے بلکہ اس کو بھی مانتے ہیں اور قرآن کریم کی آیت اور حدیث صحیح اذا قرأ فانصتوا

اور من کان لہ امام فقراءۃ لہ قراءۃ ۔ سب کو جمع کر کے یہ فرماتے ہیں کہ جہری نمازوں میں امام کی قرارت کے تھا قرارت

کرنا منع ہے اس سے پہلے یا پیچھے سکتۂ امام میں اور سری نمازوں میں قرارت خلف الامام جائز یا مستحسن ہے۔........

مگر صاحب تکمیل اور اس کی جماعت سے جو جہری نمازوں میں امام کے ساتھ ساتھ قرارت کو واجب کہتے اور حدیث صحیح

اذا قرأ فانصتوا اور حکم خداوندی اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا کی صریح مخالفت کرتے ہیں۔

حنفیہ کی اس دلیل کا ایک جواب تو آپ نے یہ دیا ہے کہ قرارت فاتحہ خلف الامام کی احادیث اس آیت کے معارض

نہیں بلکہ مخصص ہیں اور تخصیص الکتاب بالسنۃ جائز ہے جبکہ حدیث متواتر ہو اور حدیث لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ

الکتاب یقیناً متواتر ہے جیسا امام بخاری نے جزء القرارت میں فرمایا ہے۔ تواتر الخبر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لاصلوٰۃ الا بقراءۃ ام القرآن اھ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خبر متواتر ہے کہ نماز نہیں مگر سورۂ فاتحہ کی قرارت

کے ساتھ۔ سوال از آسمان جواب از ریسمان اسی کا نام ہے گفتگو قرارت فاتحہ خلف الامام میں اور تواتر قرارت فاتحہ کا بیان

کیا جاتا ہے۔ ہم بار بار کہہ چکے ہیں کہ قرارت سورۂ فاتحہ کے وجوب میں کسی کو نزاع نہیں۔ گفتگو اس میں ہے کہ امام کے

پیچھے مقتدی پر سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟ اور امام کی قرارت اس کے لئے کافی ہے یا نہیں؟ ہم کہتے ہیں کہ

قرارت فاتحہ نماز میں واجب ہے مگر امام کی قرارت مقتدی کے لئے کافی ہے وہ اس حالت میں کہ تارک قرارت نہیں بلکہ

بمنزلہ قاری کے ہے اور ان دونوں مقدمات کا ثبوت صحیح حدیث سے بار بار گزر چکا ہے پس اگر صاحب تکمیل کو ہمت ہے

تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرارت فاتحہ خلف الامام کا تواتر ثابت کریں۔ محض قرارت فاتحہ کا تواتر بیان کر کے عوام کو

قرارت خلف الامام کا دھوکہ دینا محض مغالطہ ہے۔

پھر حنفیہ کے نزدیک مشہور و متواتر وہ حدیث ہے جس کو تابعین نے بالاتفاق قبول کیا ہو اور اس مسئلہ میں تابعین کا

اختلاف ہے تو اس حدیث کو متواتر یا مشہور نہیں کہا جا سکتا علامہ عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں۔

فان قلت ھذا الحدیث مشہور فتجوز الزیادۃ بمثلہ قلت لا نسلم انہ مشہور لان المشہور ما تلقاہ التابعون

بالقبول وقد اختلف التابعون فی ھذہ المسئلۃ ولئن سلمنا انہ مشہور فالزیادۃ بالخبر المشہور انما تجوز

اذا کان محکما اما اذا کان محتملا فلا وھذا الحدیث محتمل لان مثلہ یستعمل لنفی الجواز ویستعمل لنفی الفضیلۃ

کقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لاصلوٰۃ لجار المسجد الا فی المسجد - ولا صلوٰۃ بحضرۃ طعام رواہ مسلم الخ ص ۱۱ ج ۶۔

(ترجمہ) اگر تم کہو کہ یہ حدیث مشہور ہے اور اس سے زیادت کتاب اللہ پر جائز ہے تو میں کہوں گا ہم

اس کا مشہور ہونا تسلیم نہیں کرتے کیوں کہ مشہور وہ ہے جس کو تابعین نے قبول کیا ہے اور اس مسئلہ میں تابعین کے درمیان اختلاف ہے اور اگر مان لیا جائے کہ یہ مشہور ہے تو حدیث مشہور سے کتاب اللہ پر زیادت اس وقت جائز ہے کہ وہ (اپنے مدلول ومفہوم میں) محکم ہو اور اگر محتمل ہو تو (اس سے زیادت کتاب اللہ پر جائز) نہیں اور یہ حدیث (لاصلوٰۃ الابقرأۃ ام القرآن) محتمل ہے کیوں کہ اس قسم کا لفظ کبھی نفی جواز (وعدم صحت) کے لئے مستعمل ہوتا ہے .... اور ....

کبھی نفی فضیلت کے لئے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسجد کے ہمسایہ کی نماز بغیر مسجد کے نہیں (اس کا مطلب بالاتفاق یہ ہے کہ بغیر مسجد میں ادا کئے اس کی نماز کامل نہ ہوگی یہ معنی نہیں کہ بالکل صحیح نہ ہوگی) اور (نیز آپ کا ارشاد ہے) کہ کھانے کے سامنے نماز نہیں اس کو مسلم نے روایت کیا ہے اور (اس کا بھی بالاجماع یہی مطلب ہے کہ جب بھوکے کے سامنے کھانا آجائے اس وقت کھانا چھوڑ کر نماز پڑھے گا تو نماز کامل نہ ہوگی یہ مراد ہرگز نہیں کہ نماز صحیح نہ ہوگی پس ایسے ہی لاصلوٰۃ الابقرأۃ ام القرآن - میں بھی احتمال ہے کہ اس کا یہ مطلب ہو کہ بغیر قرأت فاتحہ کے نماز کامل نہ ہوگی - پھر اس حدیث کو قرأت خلف الامام سے کوئی تعلق نہیں اس میں صرف قرأت فاتحہ کا ذکر ہے اور اس کو ہم بھی واجب کہتے ہیں مگر مقتدی پر واجب نہیں کہتے - کیوں کہ آیت قرآن اور صحیح حدیثوں میں مقتدی کو خاموش رہنے کا صریح حکم ہے اس کی خلاف ورزی جائز نہیں اس تقریر سے صاحب تکمیل کی اس بات کا بھی جواب ہوگیا کہ یہ آیت مکی ہے اور قرأت فاتحہ کا حکم مقتدی کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ طیبہ میں دیا ہے پس کیا مقدم النزول آیت کسی مؤخر الافتراض کے لئے ناسخ ہوسکتی ہے ؟ ان سے کوئی پوچھے کہ مدینہ طیبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کونسی حدیث میں مقتدی کو قرأت فاتحہ کا حکم دیا ہے ؟ اگر حضرت عبادہ کی حدیث لاتفعلوا الابام القرآن - مراد ہے تو ہم بتلا چکے ہیں کہ اس سے وجوب وہی ثابت کرسکتا ہے جس کو اصول و قواعد عربیہ سے واقفیت نہ ہو ورنہ ہر سمجھدار فقیہ جانتا ہے کہ نہی کے بعد استثناء سے اباحت مستفاد ہوتی ہے وجوب ثابت نہیں ہوتا پھر اسی حدیث کے الفاظ ابوداؤد میں اس طرح پر ہیں ان کنتم لابد فاعلین فلا تفعلوا الابام الکتاب - اگر تم امام کے پیچھے ضرور ہی قرأت کرنا چاہتے ہو تو سورۃ فاتحہ کے سوا نہ کیا کرو - اس سے ہر عامی بھی اباحت ہی سمجھ سکتا ہے وجوب نہیں سمجھ سکتا اور تفسیر فتح البیان سے جو نقل کیا گیا ہے کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ کی حدیثوں میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم موجود ہے الخ ———————— بڑی جرأت ہے ————————

کہ ..... بخاری و مسلم کی کسی حدیث میں قرأت خلف الامام کا حکم نہیں ہے صاحب تکمیل البرہان کو خدا کا خوف کرکے بات کرنا چاہیے - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایک حدیث میں بھی ہرگز یہ نہیں فرمایا کہ مقتدیوں کو امام کے پیچھے قرأت کرنا چاہتا ہے بلکہ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں یہ حکم دیا ہے اذا قرأ الامام فانصتوا جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور اس حدیث کو امام احمد اور مسلم اور مفسر طبری اور علامہ ابن تیمیہ وغیرہم نے صحیح فرمایا ہے اور حدیث عبادہ میں لاتفعلوا الابام القرآن کی زیادت کو امام احمد اور یحییٰ بن معین اور ایک جماعت محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے جیسا کتاب المغنی اور علامہ ابن تیمیہ کے رسالہ تنوع العبادات کے حوالہ سے اوپر گذر چکا ہے - اور حدیث عبادہ کا جو حصہ صحیح ہے اس کو قرأت خلف الامام سے کچھ واسطہ نہیں وہ منفرد اور امام کے متعلق ہے جیسا خود راوی حدیث سفیان بن عیینہ نے فرما دیا ہے قال هذا اذا کان وحدہ - یہ حدیث اس شخص کے بارے میں ہے جو اکیلا نماز پڑھتا ہو - اس کے بعد صاحب تکمیل نے آیت

اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا اور آیت فاقرؤا ما تیسر من القرآن میں تعارض ثابت کرکے دونوں کو ساقط کرنا چاہا ہے اور نور الانوار و توضیح و تلویح کا حوالہ بھی دیدیا ہے حالانکہ تعارض کے لئے اتحاد محل شرط ہے جو یہاں مفقود ہے کیوں کہ آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا بالاتفاق قرات خلف الامام کے متعلق ہے اور فاقرؤا ما تیسر من القرآن صلوٰۃ منفرد کے متعلق ہے کیوں کہ یہ آیت قیام اللیل کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور قیام اللیل جماعت سے نہیں ہوتا منفرداً ہوتا ہے طلبہ کو تعارض کا مطلب سمجھانے کے لئے مثال کے طور پر نور الانوار وغیرہ میں ان آیتوں کو پیش کردیا گیا کہ شان نزول کو نہ دیکھا جائے تو ظاہر میں تعارض معلوم ہوگا ورنہ حقیقتاً تعارض ثابت کرنا مقصود نہیں جیسا فقہاء کے طرز عمل سے واضح ہے کہ وہ برابر دونوں آیتوں سے استدلال کرتے چلے آرہے ہیں ملاحظہ ہو ....

عینی شرح البخاری ص۱۱ ج۱ پھر حنفیہ پر صاحب تکمیل نے یہ الزام قائم کیا ہے کہ اس آیت اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا سے حنفیہ نے خطبہ جمعہ کے وقت خاموش رہنے کو واجب کہا ہے لیکن یہ بھی کہتے ہیں کہ جب خطیب آیت یا ایها الذین آمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما پڑھے تو سننے والا آہستہ درود پڑھ لے۔ تو فاتحہ خلف الامام آہستہ پڑھنے سے کیوں روکتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ ہم بار بار کہہ چکے ہیں کہ آیت کا نزول بالاتفاق قرات خلف الامام کے بارے میں ہے خطبہ جمعہ کو نماز کے ساتھ بعد میں ملحق کرلیا گیا ہے ورنہ مکہ میں جمعہ کی نماز اور خطبہ کہاں تھا؟ پس جس قدر استماع و انصات کی تاکید نماز میں ہے خطبہ میں نہیں ہے اس لئے بعض فقہاء نے یہ سمجھ کر درود پڑھنے کی اجازت دے دی کہ خطبہ میں امام سے کسی ضرورت کے وقت بات کرنا یا دعا کی درخواست کرنا جائز ہے اور امام کو بھی مقتدیوں سے بات کرنا اور کوئی ضروری بات پوچھنا یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا جائز ہے اور اس وقت مقتدی امام کی بات کا جواب بھی دے سکتا ہے جیسا واقعہ سلیک غطفانی سے کہ حضورؐ نے خطبہ کے وقت اُن سے بات کی اور ایک دفعہ خطبہ میں حضورؐ سے بارش کی دعا کو کہا گیا تھا۔ کہ خطبہ میں حضرت عثمان کو دیر آنے پر تنبیہ کی تھی اور انھوں نے جواب میں اپنا عذر بیان کیا تھا بخاری ظاہر ہے کہ اس کو خطبہ کے منافی نہیں سمجھا گیا۔ اسی طرح جب خطیب خطبہ کے اندر حکم کررہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو تو اس حکم کی تعمیل بھی خطبہ کے منافی نہیں آہستہ درود پڑھ سکتے ہیں بلند آواز سے نہیں اور بعض فقہاء حنفیہ نے اس صورت میں بھی زبان سے درود پڑھنے کی اجازت نہیں دی ہے صرف دل سے پڑھنے کی اجازت دی ہے فلا اشکال

ایک الزام یہ دیا ہے کہ نماز فجر شروع ہونے کی حالت میں امام کی قرات کے وقت صف کے پیچھے سنتیں پڑھنا حنفیہ کے نزدیک جائز ہے اور آیت اذا قرئ القرآن سے اس کو ممنوع قرار نہیں دیتے تو اس آیت سے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا کیوں ممنوع ہے؟ جواب یہ ہے کہ عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مغفل کی روایت اوپر گذر چکی ہے جس میں تصریح ہے کہ یہ آیت صرف مقتدی کے حق میں ہے کہ وہ قرات خلف الامام نہ کرے بلکہ خاموش رہے۔ اس کے سوا دوسرے موقعہ پر قرآن پڑھا جائے تو سننا اور خاموش رہنا فرض نہیں بعض فقہاء حنفیہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے انکے نزدیک نماز فجر کے وقت مسجد میں ایک طرف سُنّت فجر پڑھنا جائز ہے کیوں کہ یہ شخص مقتدی نہیں ہے اور بعض فقہاء نے عموم لفظ کی بنا پر ایسی جگہ سُنّت فجر پڑھنے کو منع کیا ہے جہاں امام کی قرات سننے میں آتی ہو وہ فرماتے ہیں کہ مسجد کے دروازہ پر یا مسجد سے باہر سنتیں پڑھ کر جماعت میں شریک ہونا چاہیے رہا مقتدی کا سبحانک اللھم پڑھنا سو اس میں حنفیہ کا صحیح قول یہ ہے کہ جہری نماز میں امام کی قرات کے وقت مقتدی کو سبحانک اللھم پڑھنا جائز نہیں۔ بلکہ تکبیر تحریمہ کہہ

فاران کراچی

اور سکتات امام میں سورہ فاتحہ بھی پڑھ سکتا ہے جیسا اہلِ
خاموش رہے اور موقع ملے تو سکتات امام میں سبحانک اللہم پڑھ لے
بار گذر چکا ہے۔ رہا یہ کہ جب امام جہر کر رہا ہو اس وقت اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع بھی نہ کرنا چاہیے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ
تکبیر تحریمہ شرط صلوٰۃ ہے رکن صلوٰۃ نہیں تو تکبیر تحریمہ کے وقت یہ شخص مقتدی ہی نہیں تکبیر کے بعد مقتدی بنے گا اور
اسی وقت قرآن کا سننا اور خاموش رہنا واجب ہوگا اس سے پہلے نہیں دوسرے اس پر سب کا اجماع بھی ہے کہ امام کی
قرات سنتے ہوئے تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز میں شریک ہونا درست ہے۔ پس صاحب تکمیل کو اپنی ہی فہم و دانش کا ماتم کرنا
چاہیے۔ اور امام بخاری کی جزء القراءت سے جو الزام نقل کیا گیا ہے کہ مدارس و مکاتب میں استاد ایک بچہ کو سبق دیتا ہے
اور باقی بچے بھی برابر قراءت کرتے ہیں وہاں آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کی بنا پر بچوں کو خاموش نہیں کیا
جاتا الخ اس کا ایک جواب تو وہی ہے جو اوپر گذر چکا ہے کہ یہ آیت مقتدی کے حق میں ہے غیر مقتدی کے حق میں نہیں ہے دوسرے
بچوں کو بڑوں پر قیاس کرنا ہی غلط ہے بچے تو بے وضو بھی قرآن پڑھتے ہیں ان کو مرفوع القلم قرار دیا گیا ہے۔
اس کے بعد دعویٰ کیا گیا ہے کہ انصات کے معنی مطلقاً چپ رہنے کے نہیں بلکہ سکوت مع الاستماع کے ہیں۔ تو اس سے بھی
حنفیہ کا مطلب حاصل نہیں ہو سکتا کیوں کہ اس سے نماز جہری میں صرف امام کی قرات کے وقت ممانعت ہوگی سکتات
امام میں قرات کرنے کی ممانعت آیت ہذا سے ہرگز ثابت نہیں ہوتی حالانکہ حنفیہ کا دعویٰ ہے کہ جہری نماز میں سکتات امام
کے وقت بھی قرات ناجائز و حرام ہے۔ یہ حنفیہ پر افترا ہے جو لوگ سکتات امام کی رعایت کر کے سورۂ فاتحہ خلف الامام
پڑھ سکیں اس کو کسی نے ناجائز و حرام نہیں کہا اسی طرح سری نمازوں میں بھی قرات فاتحہ خلف الامام آہستہ آہستہ جائز
ہے جب کہ امام سے منازعت اور تشویش نہ ہو جیسا بار بار ذکر ہو چکا ہے اس کے بعد دعویٰ کیا گیا ہے کہ جب امام جہر سے
قرات کرے اور مقتدی آہستہ آہستہ انہی الفاظ کو پڑھتے جائیں تو اس میں بہت اچھی طرح استماع و انصات بھی پایا
جائے گا الخ یہ محض دعویٰ ہے کہ جو قابل قبول نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی کے وقت اپنے لبوں کو حرکت
دے کر ساتھ ساتھ پڑھتے تھے جہر نہ کرتے تھے۔ حق تعالیٰ نے اس سے بھی منع فرمایا اور ارشاد ہوا :۔

لا تحرک به لسانک لتعجل به ان علینا جمعه وقرآنه - فاذا قرأناه فاتبع قرآنه

(قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کیجئے تاکہ جلدی یاد ہو جائے ہمارے ذمہ ہے اس کو (آپ کے
دل میں) جما دینا اور پڑھوا دینا تو جب ہم (بواسطہ جبریل کے) اس کو پڑھیں تو اس کی قرات کا اتباع
کیجئے۔ اس کی تفسیر میں عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں فاستمع له وانصت کہ جب وحی نازل ہو تو اس
کو سنتے رہیے اور خاموش رہیے (اس کے بعد آپ زبان کو حرکت نہ دیتے اور خاموش رہتے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف ص۳ ج ۱

معلوم ہوا کہ قرات قرآن کے وقت زبان کو حرکت دینا اتباع نہیں ہے اور مقتدی کو امام کے اتباع کا امر کیا گیا ہے انما جعل الامام لیؤتم
به کہ امام بنایا اسی لئے گیا ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے اور حدیث ابن عباس سے معلوم ہو گیا کہ اتباع قرات یہ ہے کہ بالکل خاموش رہے
زبان کو حرکت نہ دے اور لغت میں بھی انصات کے معنی سکوت ہی کے ہیں البتہ اگر انصت له بولا جائے تو اس کے دو معنی ہیں ایک خاموش
رہنا دوسرے کان لگا کر سننا اور جب انصات مطلق ہو اس کے معنی سکوت ہی کے ہیں ملاحظہ ہو قاموس ص۹۸ ج ۱

پس امام کے ساتھ ساتھ قرات کرنا اتباع امام کے بھی خلاف ہے اور انصات کے بھی خلاف ہے۔ اس کے بعد یہ الزام دیا گیا

ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نماز میں کئی سکتے ثابت ہیں اگر مقتدی سکتات مذکورہ میں سورۂ فاتحہ پڑھ لے تو آیت واذا قرئ القرآن کا مخالف نہ ہوگا جواب ظاہر ہے کہ اس صورت کو ناجائز کس نے کہا؟ مگر ظاہر ہے کہ یہ سکتات امام پر واجب نہیں کیوں کہ وجوب کی کوئی دلیل نہیں اگر امام سکتہ نہ کرے تو مقتدی قرارت فاتحہ نہیں کرسکے گا نہ وہ گنہگار ہوگا نہ اس کی نماز باطل ہوگی۔

اس کے بعد دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ آیت امام کے پیچھے چلاکر پڑھنے کی ممانعت میں نازل ہوئی ہے اور امام رازی سے نقل کیا گیا ہے کہ یہی قول امام ابوحنیفہ ہے اور ان کے اصحاب کا۔ جواب یہ ہے کہ جیسے اس عبارت میں امام صاحب اور انکے اصحاب کی طرف بلا سند ایک غلط قول کی نسبت کی گئی ہے ایسے ہی یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ یہ آیت امام کے پیچھے چلاکر پڑھنے کی ممانعت میں نازل ہوئی ہے بھلا صحابہ کے متعلق کون یہ گمان کرسکتا ہے کہ وہ نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلاکر شور کریں گے کیا ان کو نماز کی حقیقت اور اس میں خشوع وخضوع کی ضرورت کی بھی خبر نہ تھی؟ اہل حدیث جو اس قسم کی لغو تاویلیں کر کے صحیح حدیثوں کو رد کرتے ہیں اور آیت قرآنی میں غلط تاویلیں کرتے رہیں وہ تو عامل بالحدیث ہوں اور حنفیہ نصوص کے صحیح معنی بیان کریں اور صحیح طریقہ پر عمل کریں وہ مذہب پرست اور استخوان فروش قرار پائیں سبحان اللہ کیا انصاف ہے؟ ان حضرات سے کوئی پوچھے۔ کہ اگر یہ آیت امام کے پیچھے چلاکر پڑھنے کی ممانعت میں نازل ہوئی ہے اور آہستہ قرارت جائز ہے تو خطبہ جمعہ میں بھی چلاکر بولنا ہی منع ہوگا کسی قدر آواز سے بولنا باتیں کرنا تسبیح وتکبیر وتہلیل کرنا ممنوع نہ ہونا چاہیے کیوں کہ تمام علماء نے اسی آیت سے خطبہ میں کلام کو منع کیا ہے اور خود صاحب تکمیل نے بھی اس آیت کا شان نزول خطبہ کو قرار دیا ہے تو کیا وہ اس کے قائل ہونگے کہ خطبۂ جمعہ میں امام کا خطبہ سنتے ہوتے لوگوں کو بغیر چلائے باتیں کرنا یا ذکر اللہ اور تکبیر وتسبیح وتہلیل کرنا جائز ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو خلاف اجماع ہے اہل حدیث بھی اس کے قائل نہیں اور اگر نفی میں ہے تو کیا خطبہ کا درجہ نماز سے بھی زیادہ ہے؟ کہ نماز میں تو آہستہ آہستہ پڑھنا جائز اور خطبہ میں حرام ہے۔

اس کے بعد دعویٰ کیا گیا ہے کہ عدم فرضیت فاتحہ پر حنفیہ کا آیت ہٰذا سے استدلال کرنا تمام محدثین ومفسرین کے خلاف ہے یہ وہی مغالطہ ہے جو شروع سے آخر تک صاحب تکمیل کا شیوہ ہے حنفیہ نے اس آیت سے عدم فرضیت فاتحہ پر کب استدلال کیا ہے؟ اس سے تو وہ قرارت خلف الامام کی عدم فرضیت پر استدلال کرتے ہیں اور اس میں جمہور سلف وخلف ان کے ساتھ ہیں۔ جیسا علامہ ابن تیمیہ کے قول سے معلوم ہوچکا ہے عدم فرضیت فاتحہ پر تو وہ آیت فاقرأوا ماتیسر من القرآن سے استدلال کرتے ہیں اور حدیث اعرابی سے ان کے استدلال کی تائید ہوتی ہے جیسا پہلے مفصل گزر چکا۔

اس کے بعد دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ آیت نماز میں باتیں کرنے کی ممانعت میں نازل ہوئی ہے اور بعض تابعین کا قول نقل کیا گیا ہے کہ یہ آیت خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے خطبہ کے وقت لوگوں کو استماع کا حکم دیا گیا ہے الخ اس کا جواب گذر چکا ہے کہ مکہ میں نہ جمعہ قائم ہوا تھا نہ خطبہ تھا اس لئے جن حضرات نے اس آیت کو خطبہ کے متعلق کہا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ خطبہ کو بھی نماز کے ساتھ ملحق کیا گیا ہے یہ مطلب نہیں کہ اس کا شان نزول فقط خطبہ جمعہ ہے کیوں کہ یہ آیت بالاتفاق مکی ہے اور مکہ میں نہ جمعہ تھا نہ خطبہ اور خطبہ میں آہستہ بات کرنا یا آہستہ ذکر وتسبیح پڑھنا بالاتفاق جائز نہیں تو نماز میں امام کے ساتھ آہستہ قرارت کس طرح جائز ہوگی؟ نماز میں باتیں کرنا ہجرت کے بعد بھی جائز تھا جب سورۂ بقرہ کی آیت وقوموا للہ قانتین نازل ہوئی تو باتیں کرنے سے منع کیا گیا (صحیح مسلم) اور آیت اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا۔ بالاتفاق مکی ہے اس کو نماز میں باتیں کرنے کی ممانعت پر محمول کرنا صحیح نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ صحابہ ممانعت کے بعد بھی عام طور سے نماز میں باتیں کرتے تھے اور یہ ان کی شان سے بعید ہے اور قرارت خلف الامام مدینہ میں عام طور پر صحابہ کرتے تھے کسی ایک دو نا واقف نے ایسا کیا ہے جیسا حدیث پڑھنے والوں پر مخفی

لالان کرچی

نہیں ہے کہ جب حضور نے پوچھا تم میں سے کس نے قراءت کی تو صرف ایک آدمی کہتا تھا میں نے قراءت کی ہے۔ اُس کو آپ نے منع
گویا۔ پھر امام رازی کا قول نقل کیا گیا ہے کہ اس آیت میں کفار کو خطاب ہے اور اگر آیت کو قراءت خلف الامام کی ممانعت پر محمول
کیا جائے تو قرآن کا سیاق و سباق ہی بگڑ جائے گا اور ترتیب مختل ہو جائے گی الخ میں کہتا ہوں امام احمد بن حنبل کا قول گذر چکا کہ
کہ بالاتفاق یہ آیت نماز کے متعلق (قراءت خلف الامام سے منع کرتے ہیں) نازل ہوئی ہے تو کیا احمد بن حنبل اور دوسرے علماء سلف
سے بھی زیادہ کوئی قرآن کے سیاق و سباق کا سمجھنے والا ہو سکتا ہے؟ پھر اس آیت سے پہلے حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ھذا بصائر
للناس وھدی ورحمۃ لقوم یؤمنون۔ یہ قرآن (بجائے خود) گویا بہت سی دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت و
رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ جس میں اہل ایمان کا اور قرآن کا ذکر ہے اس کے بعد واذا قرئ القرآن فاستمعوا
لہ وانصتوا لعلکم ترحمون ہے اس کے بعد واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفۃ ودون الجہر من القول بالغدو والآصال
ولا تکن من الغافلین ہے جس میں ہر مسلمان کو ذکر کی تاکید اور غفلت سے ممانعت ہے غرض آیت واذا قرئ القرآن سے
پہلے بھی اہل ایمان کا ذکر ہے اور بعد میں بھی اہل ایمان کو خطاب ہے تو درمیان میں قراءت قرآن کے متعلق مسلمانوں کو خطاب کرنے سے
قرآن کا سیاق و سباق کیسے مختل ہو گیا؟ اس آیت سے پہلے قرآن کی عظمت کا بیان ہے کہ وہ اہل ایمان کے لئے بصائر و ہدایت و رحمت
ہے اس کے بعد یہ امر یقیناً اس کی عظمت کے مناسب ہے کہ جب قرآن (نماز میں) پڑھا جائے اس کو سنو اور خاموش رہو (تاکہ اچھی
طرح بصیرت و ہدایت و رحمت سے حصہ حاصل کر سکو) اس کے بعد حکم ہے کہ اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ یاد
کیا کرو صبح اور شام اور غافلوں میں شمار نہ ہو گا۔

بتلایئے کون عقلمند کہہ سکتا ہے کہ اس صورت میں نظم قرآن مختل ہو گیا ....

بلکہ انصاف سے دیکھا جائے تو جہاں قرآن نے کفار کے شور و غل اور چلانے کا ذکر کیا ہے وہاں رحمت کا ذکر نہیں کیا وہاں
ان کو سخت عذاب کی دھمکی دی ہے۔

وقال الذین کفروا لا تسمعوا لھذا القرآن والغوا فیہ لعلکم تغلبون ۝ ....

فلنذیقن الذین کفروا عذابا شدیدا ولنجزینھم اسوأ الذی کانوا یعملون — یعنی کافر لوگ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو
نہ سنو اور شور و غل مچاؤ شاید (اس طرح) تم غالب آجاؤ۔ ہم ان کو سخت عذاب (کا مزہ) چکھائیں گے اور ان کی اس بری حرکت
کی جو وہ کرتے ہیں سزا دیں گے۔

پس آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون کا عنوان ہی بتلا رہا ہے کہ اس میں مسلمانوں کو خطاب ہے
وہی قرآن کو سننا اور خاموش رہنے پر رحمت کے امیدوار ہو سکتے ہیں کفار تنہا اس عمل پر رحمت کے امیدوار کیوں کر ہو سکتے ہیں
جب تک ایمان نہ لے آئیں؟ پس تفسیر فتح البیان کا یہ قول ہرگز صحیح نہیں .... صرف کفار کو خطاب ہے اور مسلمانوں کو
خطاب ماننے سے قرآن کی آیت میں ارتباط نہ رہے گا۔ بلکہ سیاق و سباق اور آیت کے عنوان سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اس میں
مسلمانوں ہی کو خطاب ہے تمام علماء مفسرین نے اس کو قراءت خلف الامام سے ممانعت پر محمول کیا ہے جیسا علامہ طبری کے
حوالے سے ہم نے تفصیل کے ساتھ شروع ہی میں لکھ دیا ہے غالباً ناظرین نے اندازہ کر لیا ہو گا کہ صاحب تکمیل البرہان کس قدر ہٹ دھرمی
اور عصبیت مذہبی سے حنفیہ کے دلائل پر تنقید کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی جس آیت سے جمہور سلف و خلف نے قراءت خلف الامام کی
ممانعت پر استدلال کیا تھا اس کو تفسیر فتح البیان اور رازی کے قول سے رد کرنا چاہتے ہیں الغریق یتشبث بالحشیش۔ اسی کو کہتے ہیں ڈ[illegible]

ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بھی بہت نظر آتا ہے۔

اس کے بعد آپ نے حنفیہ کے دلائل حدیثیہ پر تنقید شروع کی ہے۔

پہلی دلیل یہ بیان فرمائی ہے کہ صحیح بخاری میں جو روایت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے حالت رکوع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا تو صف میں ملنے سے پہلے رکوع کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کرنے پر آپ نے اس رکعت کو لوٹانے کا حکم نہیں فرمایا اس سے حنفیہ قرأت فاتحہ خلف الامام کے فرض نہ ہونے پر دلیل لاتے ہیں کہ جب رکوع میں ملنے سے (بغیر فاتحہ کے) رکعت ہو گئی تو حالت قیام میں بھی سورۂ فاتحہ بغیر ہو جائے گی الخ اس کے متعلق عرض ہے کہ یہ صرف حنفیہ کی دلیل نہیں بلکہ مالکیہ و حنابلہ نے بھی مسبوق کے اس مسئلہ سے مقتدی پر قرأت خلف الامام کے واجب نہ ہونے کے لئے استدلال کیا ہے جیسا کتاب المغنی کے حوالہ سے گذر چکا ہے اور صرف حدیث ابی بکرہ ہی سے استدلال نہیں کیا گیا بلکہ اجماع سے استدلال کیا گیا ہے امام طحاوی نے تصریح کی ہے کہ اس میں فقہاء کا اختلاف نہیں کہ مسبوق رکوع پالینے سے رکعت پالیتا ہے اور مغنی ابن قدامہ میں ہے ولانھا قراءۃ لاتجب علی المسبوق فلم تجب علی غیرہ کالسورۃ۔ پھر قرأت فاتحہ خلف الامام مسبوق پر واجب نہیں تو غیر مسبوق پر بھی واجب نہ ہوگی جیسے (ضم) سورت اھ

اس دلیل کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ قرأت کا وجوب حالت قیام میں ہے جب حالت بدل گئی حکم بھی بدل گیا۔ میں کہتا ہوں اہل حدیث کی زبان و قلم سے ایسی باتیں نکلنا جائے تعجب ہے کیوں کہ یہ تو سراسر قیاس ہے جس کے متعلق یہ لوگ بڑے زور سے اول من قاس ابلیس کا نعرہ لگایا کرتے ہیں۔ ان کو کسی حدیث سے اس کا ثبوت دینا چاہیئے کہ قرأت کا وجوب حالت قیام کے ساتھ مخصوص ہے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب میں تو قیام کی شرط مذکور نہیں۔ اگر کسی حدیث میں یہ قید مذکور ہے تو معلوم ہوا کہ آپ ایک حدیث سے دوسری حدیث کو مقید کر سکتے ہیں۔ پھر حنفیہ نے کیا جرم کیا جو دوسری حدیث من کان لہ امام فقراءۃ لہ قراءۃ سے حدیث عبادہ کو منفرد اور امام کے ساتھ خاص کرتے ہیں؟ پھر یہ بھی خوب رہی کہ جب حالت بدل گئی حکم بھی بدل گیا۔ اول اس کو تو ثابت کیجئے کہ رکوع کرنے سے حالت کیا بدل گئی؟ کیا نماز ختم ہو گئی یا نمازی بدل گیا؟ آخر یہ مسئلہ کس حدیث سے آپ نے معلوم کیا کہ رکوع کرنے سے نماز یا نمازی کی حالت بدل جاتی ہے؟ حدیث ابوبکرہ اور ان جملہ احادیث سے جو رکوع پالینے سے رکعت کے پانے پر دلالت کرتی ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شارع علیہ السلام کی نظر میں رکوع قیام کے حکم میں ہے جبھی تو رکوع پالینے سے رکعت مل جاتی ہے البتہ سجدہ قیام کے حکم میں نہیں ہے کہ سجدہ پانے سے رکعت نہیں ملتی اور جب رکوع بحکم قیام ہے تو رکوع سے حالت نہیں بدلی پس رکوع پانے والے پر رکوع میں قرأت فاتحہ فرض ہونی چاہیئے چنانچہ بعض صحابہ اس طرف گئے بھی ہیں۔ ملاحظہ ہو جزء القرأت بیہقی ص ۶۸

عن حسان بن عطیۃ عن ابی الدرداء قال لاتترک الفاتحۃ خلف الامام زاد ابن ابی العوامری وان کنت راکع وفی روایۃ اُخری عن ابی الدرداء قال لو ادرکت الامام وھو راکع لاوجبت ان اقرأ بفاتحۃ الکتاب۔

حسان بن عطیہ حضرت ابوالدرداء سے روایت کرتے ہیں انھوں نے فرمایا کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ چھوڑو چاہے رکوع میں ہی پڑھو دوسری روایت میں ہے کہ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میں امام کو رکوع میں پاؤں تو اس کو پسند کرتا ہوں کہ ۔۔۔ لہ کہ سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا تھا۔ آگے بیان کی بلا جانے کہ قیاس ابلیس کس قسم کا تھا اور قیاس مجتہد کسے کہتے ہیں ۱۲

کروں گا کہ سورۂ فاتحہ (رکوع میں بھی) پڑھ لوں - اس اثر سے صاحب تکمیل کی ساری بنی بنائی عمارت منہدم ہو گئی۔ معلوم ہو گیا کہ رکوع سے حالت کچھ نہیں بدلی بلکہ رکوع میں بھی قیام کی طرح قرأت فاتحہ ہو سکتی ہے اور اس اثر کو ضعیف نہیں کہہ سکتے کیوں کہ امام بیہقی نے بطور حجت کے اس کو پیش کیا ہے - پس صاحب تکمیل کا یہ نتیجہ نکالنا کہ جیسے شریعت کا یہ حکم ہے کہ کوئی رکعت بغیر فاتحہ کے نہیں ہوتی ویسے ہی شریعت کا یہ بھی حکم ہے کہ رکوع میں ملنے سے (رکعت) ہو جاتی ہے - حنفیہ و حنابلہ کے استدلال کے وزنی ہونے کا اقرار ہے کہ جب رکوع میں ملنے سے رکعت مل جاتی ہے اور رکوع میں سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں حالانکہ رکوع بحکم قیام ہے تو معلوم ہوا کہ حالت قیام میں بھی مقتدی پر فاتحہ پڑھنا فرض نہیں امام کی قرأت کافی ہے صاحب تکمیل کا یہ کہنا کہ رکوع میں جانے سے حالت بدل گئی اور مثال میں مسافر و مقیم کا مسئلہ بیان کرنا ان کی جس بدحواسی کو ظاہر کر رہا ہے ناظرین نے اندازہ کر لیا ہوگا -

حق یہ ہے کہ جو لوگ مقتدی کے ذمہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کو فرض کہتے ہیں ان کو یا تو یہ ظاہریہ کی طرح اس کا قائل ہونا چاہیے کہ رکوع پانے سے رکعت نہیں مل سکتی یا پھر حضرت ابوالدرداء کی طرح اس کے قائل ہو جائیں کہ امام کو رکوع میں پالے تو رکوع میں ہی سورۂ فاتحہ پڑھ لے اگر وہ جمہور کی طرح اس کے قائل ہونگے کہ رکوع پانے سے رکعت مل جاتی ہے اور رکوع میں فاتحہ پڑھنا فرض نہیں تو پھر وہ کسی طرح بھی مقتدی پر قرأت فاتحہ کو فرض نہیں کہہ سکتے - رہا یہ کہ حنفیہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ میں قیام فرض ہے اور اس حالت میں ابوبکرہ صحابی کو قیام بھی نہیں ملا اور بغیر قیام کے ان کی وہ رکعت ہو گئی پس معلوم ہوا کہ قیام بھی فرض نہ رہا الخ اس سے صاحب تکمیل کی بدحواسی ظاہر ہے میں پوچھتا ہوں کہ حضرت ابوبکرہ نے تکبیر تحریمہ بھی کہی تھی یا نہیں ؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو حدیث میں اس کا ذکر کہاں ہے ؟ اگر کہا جائے کہ تکبیر کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں کیوں کہ معلوم ہے کہ بغیر تکبیر تحریمہ کے نماز نہیں ہو سکتی تو ہم کہتے ہیں قیام کے ذکر کی بھی ضرورت نہیں کیوں کہ معلوم ہے کہ تکبیر تحریمہ بغیر قیام کے صحیح نہیں ہوتی علامہ شوکانی اور امام طحاوی نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ تکبیر تحریمہ بغیر قیام کے صحیح نہیں ہو سکتی اور اگر جواب نفی میں ہے تو یہ ساری امت کے خلاف ہے تکبیر تحریمہ کے بغیر کسی کے نزدیک بھی نماز صحیح نہیں ہو سکتی -

اس کے بعد دوسری دلیل حضرت ابوہریرہ کی حدیث ابوداؤد کے حوالے سے مختصر نقل کی گئی ہے ہم نے اس کو اپنے دلائل میں مفصل بیان کر دیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رض فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز سے فارغ ہو کر جس میں جہر کیا تھا فرمایا کیا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ اس وقت قرأت کی ہے ایک شخص نے کہا ہاں یا رسول اللہ ﷺ میں نے قرأت کی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بھی کہوں یہ کون مجھ سے قرآن چھین رہا ہے ؟ جب لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی تو صحابہ اس نماز میں قرأت کرنے سے رک گئے جس میں حضور ﷺ جہر کے ساتھ قرأت کرتے تھے اس کو امام مالک نے مؤطا میں امام شافعی نے مسند میں ائمہ اربعہ نے سنن میں روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کی تحسین کی اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے - اس دلیل کا جواب صاحب تکمیل نے یہ دیا ہے کہ "صحابہ قرأت کرنے سے رک گئے" یہ لفظ مدرج ہے مرفوع نہیں ہے یہ زہری تابعی کا قول ہے *

میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ ابوداؤد نے اس کو معمر کے واسطہ بھی روایت کیا ہے اور اس میں تصریح ہے کہ حضرت ابوہریرہ

* یعنی راوی نے بڑھا دیا ہے - صحابی کا قول نہیں ۱۲ -

نے فرمایا "لوگ جہری نماز میں قرارت سے رک گئے" اور معمر ثقہ متقن ہے ان سے روایت کرنے والا احمد بن السرح بھی ثقہ ثبت ہے پس یہ دعویٰ غلط ہے کہ یہ زہری کا قول ہے۔ پھر اگر زہری کا قول بھی ہو تو یہ زہری کا فتویٰ تو نہیں بلکہ ایک واقعہ کی خبر ہے اور زہری مغازی و سیر و اخبار رسول میں امام وقت ہے۔ زمانۂ رسول کے واقعات بیان کرنے میں اس کا قول حجت ہے۔ صاحب تکمیل کا یہ کہنا کہ اس سے نماز سری میں قرارت کی ممانعت نہیں پائی جاتی۔" تو سری نمازوں میں قرارت سے ہم بھی منع نہیں کرتے۔ مگر جہری میں تو قرارت کی ممانعت ثابت ہو گئی اور یہی ہمارا مدعا ہے۔ اس کے بعد صاحب تکمیل فرماتے ہیں کہ مطلب حدیث کا صاف ہے کہ سورہ فاتحہ کے بعد جب امام جہری نمازوں میں کوئی سورت پڑھے تو مقتدی خاموش ہو کر سنے الخ مگر وہ یہ تو بتلائیں کہ یہ مطلب اس حدیث کے کس لفظ سے معلوم ہوا؟ ظاہر ہے کہ فانتھی الناس عن القراءت فی ما جھر فیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالقراءآت (پس لوگ قرارت کرنے سے رک گئے ان نمازوں میں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرارت جہر سے کرتے تھے) ان الفاظ میں فاتحہ یا غیر فاتحہ کا کوئی ذکر نہیں بلکہ مطلقاً قرارت سے رک جانا مفہوم ہو رہا ہے۔ اگر کہا جائے کہ دوسری حدیث سے یہ قید بڑھائی گئی ہے جس میں ابوہریرہ کا اپنے شاگرد کو حکم ہے اقرا بھا فی نفسک۔ کہ سورۂ فاتحہ اپنے نفس میں پڑھ لیا کرو تو اس کا مطلب ہمارے نزدیک یہ ہے کہ دل میں پڑھ لیا کرو۔ اور اگر ایک حدیث میں دوسری حدیث سے تم ایک قید بڑھا سکتے ہو تو حنفیہ نے کیا جرم کیا جو وہ حدیث عبادہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب۔ میں دوسری احادیث کی وجہ سے ھذا اذا کان وحدہ کی قید بڑھاتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کی قرآت کے بغیر نماز نہ ہونا اس وقت ہے کہ تنہا نماز پڑھ رہا ہے اور یہ قید خود راوی حدیث سفیان بن عیینہ نے بڑھائی ہے اور امام احمد بن حنبل رح نے حضرت جابر رض کی روایت سے اس کی تائید کی ہے اور حدیث صحیح اذا قرأ فانصتوا بھی اس کی مؤید ہے۔ فما ھو جوابکم فھو جوابنا صاحب تکمیل کا ترمذی کے قول کو نقل کرنا اور امام احمد کے قول کو چھوڑ دینا اور امام الکلام سے سہارا ڈھونڈنا ان کی جس بیچارگی کو ظاہر کر رہا ہے اہل علم خوب سمجھ سکتے ہیں۔

تیسری دلیل کے جواب میں تو صاحب تکمیل نے کمال کر دیا ایک تو حضرت جابر کی حدیث من صلی رکعۃ لم یقرأ فیھا بام القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام (جس نے کوئی رکعت بغیر فاتحہ کے پڑھی اس نے نماز نہیں پڑھی مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو) اس کا مطلب آپ نے یہ نکالا کہ مقتدی کی وہ رکعت جس میں اس نے امام کو حالت رکوع میں پا لیا ہو صرف یہ رکعت اس کی بلا فاتحہ درست ہے۔" بھلا موطا مالک اور ترمذی نے حضرت جابر رض سے جو الفاظ نقل کئے ہیں۔ ان سے کسی کا ذہن بھی اس مطلب کی طرف پہونچ سکتا ہے جو صاحب تکمیل نے گھڑا ہے لفظ الا وراء الامام کو مسبوق کی اس رکعت سے کیا واسطہ جو بحالت رکوع پائی گئی ہے۔" ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ اسی کو کہتے ہیں اگر ایسے ہی دور دراز مطالب بیان کر دینے سے دوسرے کے دلائل کا جواب دیا جا سکتا ہے تو بخدا آپ ایک دلیل سے بھی اپنا مدعیٰ ثابت نہ کر سکیں گے۔

یہ تو حدیث کے معنی میں بے تکی تاویل تھی اب صاحب تکمیل کی دیانت سند کی بحث میں ملاحظہ ہو۔ اول تو آپ نے اثر جابر کو موقوف قرار دے کر یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ قول صحابی حدیث مرفوع کے خلاف ہے تو وہ عند الحنفیہ مقبول نہیں مگر وہ پہلے تو یہ ثابت کریں کہ حضرت جابر کا یہ قول حدیث مرفوع کے خلاف کیوں کر ہے؟ حدیث اذا قرأ فانصتوا کے وہ خلاف نہیں اور حدیث من کان لہ امام فقراءت الامام لہ قرأۃ۔ کے بھی موافق ہے رہی حدیث عبادہ تو ترمذی نے امام احمد بن حنبل کا قول نقل کر دیا ہے کہ وہ حضرت جابر کے اس قول ہی کی وجہ سے حدیث عبادہ کو منفرد پہ

محمول کرتے ہیں۔ کیوں کہ حدیث عبادہ میں امام یا مقتدی سے کچھ بھی تعرض نہیں۔ پھر آپ نے ترمذی کے محشی اور مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کو ناواقف قرار دیتے ہوئے یہ کل کہلائے ہیں کہ ان لوگوں نے اس اثر کو طحاوی کے حوالے سے مرفوع لکھا ہے حالانکہ خود امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں اس کی پر زور الفاظ میں تردید کی ہے پھر طحاوی سے ایک عبارت نقل کر دی من ذالک حدیث یحیی بن السلام من شعبة فہو منکر الخ منجملہ ان کے حدیث یحیی بن سلام کی شعبہ سے ہے سو وہ حدیث منکر ہے جس سے ہر دیکھنے سننے والا یہی سمجھے گا کہ امام طحاوی نے یحیی بن سلام کی اس حدیث کو منکر کہا ہو گا جو حضرت جابر سے مروی ہے حالانکہ طحاوی کا یہ قول حدیث جابر کے متعلق اصلاً نہیں بلکہ مناسک حج کی اس حدیث کے متعلق ہے جو یحیی بن سلام نے شعبہ سے ابن ابی لیلی سے زہری سے سالم سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ تمتع کرنے والا اگر ہدی نہ پائے تو ایام تشریق میں روزہ رکھ لے اور محدثین کے اصول پر اس حدیث کے مرفوع ہونے کو منکر قرار دیا ہے اور بتلایا ہے کہ یہ عبداللہ بن عمر کا قول ہے کیوں کہ یحیی بن سلام اور ابن ابی لیلی کے حفظ میں محدثین کو کلام ہے اس کے بعد طحاوی نے یہ بھی فرمایا ہے مع انی لا احب ان اطعن علی احد من العلماء بشیئ ولکن ذکرت ما یقول اہل الروایۃ فی ذالک اھ ص ۳۶۵ ج ۱
یعنی اگرچہ میں علماء میں سے کسی پر بھی طعن کرنا پسند نہیں کرتا لیکن اہل روایت نے جو کچھ کہا ہے وہ میں نے ذکر کر دیا ہے۔ اس جگہ صاحب تکمیل نے چند خیانتیں کی ہیں ایک یہ کہ طحاوی نے یحیی بن سلام کی اس حدیث کو منکر کہا تھا جو وہ شعبہ کے واسطے سے جواز صوم ایام تشریق میں روایت کرتا ہے اس حدیث کو ہرگز منکر نہیں کہا جس کو ص ۱۰۲ ج ۱ امام مالک کے واسطے سے وہب بن کیسان سے حضرت جابر رض سے قرات خلف الامام کے متعلق مرفوعاً روایت کیا گیا ہے۔

دوسرے جس حدیث کو طحاوی نے یحیی بن سلام و ابن ابی لیلی کے ضعف کی وجہ سے منکر کہا تھا وہاں بھی پر زور تردید نہیں کی تھی بلکہ صاف کہدیا تھا کہ میں خود کسی عالم پر طعن کرنا نہیں چاہتا صرف اہل روایت کا قول نقل کر رہا ہوں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خود طحاوی کے نزدیک یحیی بن سلام اور ابن ابی لیلی ضعیف یا مطعون نہیں ہیں اس پر یہ دلیری اور بیباکی کہ خود تو خیانت کا ارتکاب کریں اور محشی ترمذی اور مولانا احمد علی صاحب پر خدا سے نہ ڈرنے کا الزام لگائیں۔
تیسرے کتب رجال سے یحیی بن سلام کا ترجمہ بھی نہ دیکھ لیا۔ جس سے معلوم ہو جاتا کہ بعض محدثین نے اس کو ثقہ بھی کہا ہے اور ایسا راوی حسن الحدیث ہوتا ہے اور صحیح اور حسن کا راوی اگر ایسی زیادتی کرے جو جماعت کے خلاف نہ ہو تو اس کی زیادت مقبول ہے ملاحظہ ہو شرح نخبہ ص ۱۲ اور ظاہر ہے کہ موقوف کو مرفوع کرنا ایسی زیادت نہیں جس کو مخالفت پر محمول کیا جا سکے کیوں کہ حضرات صحابہ کبھی حدیث رسول م کو بطور فتوے اپنی طرف سے بیان کیا کرتے تھے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر حدیث کو مرفوع کرتے تھے۔ اب یحیی بن سلام کا ترجمہ لسان المیزان ص ۲۶۱ ج ۶ سے ملاحظہ ہو۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ باوجود ضعف کے اس کی حدیث لکھی جائے۔ ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور کہا کبھی خطا بھی کر جاتا ہے۔ ابو زرعہ رازی نے کہا لا باس بہ ربما وہم اس میں کوئی بات نہیں کبھی وہم بھی کر جاتا ہے۔ ابو حاتم نے کہا شیخ بصری صدوق بزرگ ہے اور بہت سچا۔ ابو العرب نے طبقات قیروان میں اس کا تذکرہ کیا ہے اور کہا:
کان من الحفاظ ومن خیار خلق اللہ — حفاظ حدیث میں سے اور بہترین لوگوں میں سے تھا صرف دار قطنی نے اس کو ضعیف کہا ہے ابن عدی نے اس کی منکرات میں حدیث جابر کو ذکر نہیں کیا جو اس وقت زیر بحث ہے نہ طحاوی نے اس کو منکر کہا اور اکثر محدثین نے یحیی بن سلام کی توثیق کی ہے تو اگر اس کی حدیث کو مولانا احمد علی صاحب نے حسن کہدیا تو کیا جرم کیا؟ رہا یہ کہ طحاوی نے

اس کے بعد اسماعیل بن موسیٰ سُدی کا اثر بیان کیا ہے جس میں یہ مضمون ہے کہ اسماعیل نے امام مالک سے پوچھا میں جابر کی اس حدیث کو مرفوع کر دوں ؟ امام مالک نے فرمایا خذ وا .... اس میں سب سے پہلے تو اسمٰعیل سدی کا حال معلوم کرنا چاہیئے کہ وہ کس درجہ کا ہے ؟ سو اگرچہ بعض محدثین نے اس کی توثیق کی ہے مگر ابن حبان نے ثقات میں اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عبدان (شیخ بخاری) نے فرمایا کہ ابو بکر بن ابی شیبہ اور نہاد بن السری نے (کہ یہ بھی امام بخاری کے مشائخ میں سے ہیں) ہمارے اس کے پاس جانے پر انکار کیا اور یہ کہا یہ شخص فاسق ہے سلف کو برا کہتا ہے ابن عدی کہتے ہیں کہ اس نے امام مالک کی دو حدیثوں کو موصول کر دیا اور شریک سے بھی چند احادیث میں منفرد ہے (کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں) لوگوں نے اس کے غلو فی التشیع کی بنا پر اس کو منکر کہا ہے (یعنی غالی شیعہ ہے اس لئے محدثین نے اس پر انکار کیا ہے) ص۳۳۶ ج۱ تہذیب " ایسے غالی شیعہ کی روایت سے یحییٰ بن سلام جیسے بہترین حافظ کی روایت کو مجروح قرار دینا صاحب تکمیل ہی کی جرأت ہے پھر اس غالی شیعہ نے امام مالک کا جو قول نقل کیا ہے اس سے کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ امام مالک نے اس حدیث کے رفع پر انکار کیا ہے یا اس شخص کے شریک درس ہونے پر ان کے الفاظ یہ ہیں کہ " اس کے پیر پکڑ لو " جس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کو قید کر لو تاکہ حدیث بیان کرنے پائے اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ پیر پکڑ کے یہاں سے نکال دو یہ شیعہ غالی ہمارے درس میں بیٹھنے کے لائق نہیں اس سے یہ کہاں معلوم ہوا کہ امام مالک نے حدیث کے مرفوع ہونے پر انکار کیا ہے اور اگر انکار بھی ہو تو اس کا رفع صحیح نہ ہوگا مگر حسن تو ہو سکتا ہے اور مولانا احمد علی صاحب نے رفع کو حسن ہی کہا ہے صحیح نہیں کہا۔

حنفیہ کی طرف سے چوتھی دلیل یہ بیان کی گئی ہے کہ صحیح مسلم میں قتادہ رضی اللہ عنہ سے واذا قرا، فانصتوا وارد ہے (صاحب تکمیل کے الفاظ سے ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ وہ قتادہ کو صحابی سمجھتے ہیں۔ یہ غلط ہے کہ حدیث کے راوی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ صحابی ہیں) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام اور مقتدی کے فرائض کا بیان فرمایا ہے کہ " امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے جب وہ تکبیر کہے تکبیر کہو جب وہ قرارت کرے خاموش رہو جب وہ رکوع کرے رکوع کرو الخ

اس سے ہر شخص جو بھی سنے گا یہی سمجھے گا کہ مقتدی کو امام کی قرارت کے وقت خاموش رہنا چاہیئے ۔ ہم نے اس حدیث کو حدیث عبادہ کے معارض یا اس کا ناسخ ہرگز نہیں کہا ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ حدیث عبادہ میں امام یا مقتدی کا کوئی ذکر نہیں اس میں صرف یہ مضمون ہے کہ جو فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں اس کو مقتدی کے متعلق کہنا صحیح نہیں وہ غیر مقتدی کے حق میں ہے اور حدیث ابو موسیٰ صاف طور سے مقتدی کے حق میں ہے ۔ اور ہم بتلا چکے ہیں کہ حدیث عبادہ کے راوی سفیان بن عیینہ اور زہری نے بھی اس کو غیر مقتدی کے متعلق سمجھا ہے ۔ اب اس کے بعد اہل حدیث کی تاویلات ملاحظہ ہوں وہ کہتے ہیں اذا قرا، فانصتوا کا مطلب یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے سوا اور سورت پڑھنے سے خاموش رہو ۔ کوئی ان سے پوچھے کہ حدیث اذا قرا، فانصتوا میں فاتحہ یا غیر فاتحہ کا کہاں ذکر ہے جو یہ قید بڑھائی جا رہی ہے ؟ حدیث میں تو مطلقاً خاموش رہنے کا ذکر ہے اگر یہ کہا جائے کہ حدیث عبادہ کی وجہ سے یہ قید بڑھائی جا رہی ہے تو اس کی کیا دلیل ہے کہ حدیث عبادہ سے اذا قرا، فانصتوا کو مقید کرنا ضروری ہے ؟ تطبیق اور توفیق کی یہ صورت بھی تو ہو سکتی ہے کہ حدیث عبادہ کو اس حدیث کی وجہ سے منفرد پر محمول کیا جائے جیسا سفیان بن عیینہ اور امام احمد بن حنبل اور امام زہری نے کیا ہے اور یہی حنفیہ نے اختیار کیا ہے اب صاحب تکمیل اس کی وجہ بتلائیں کہ وجہ تطبیق وہ بیان کرتے ہیں ؟ وہی صحیح ہے اور جو وجہ ہم نے بیان کی ہے وہ صحیح نہیں ہے ۔ اہل حدیث کو جو منکر تقلید ہیں یہ حق نہیں ہے کہ وہ حدیث اذا قرا، فانصتوا کے ظاہر مطلب کو کسی کی تقلید سے

ذاران کراچی

بدل دیں اور اگر ان کو بیہقی وغیرہ کی تقلید میں اس حدیث کا ایک مطلب بیان کرنے کا حق ہے تو ہم کو بھی امام ابوحنیفہ اور احمد بن حنبل
وسفیان بن عیینہ وزہری کی تقلید میں اس کا وہ مطلب بیان کرنے کا حق ہے جو حدیث کے الفاظ سے بلا تاویل مفہوم ہو رہا ہے، رہا
یہ کہ اس حدیث اذا قرأ فانصتوا کے دوسرے راوی حضرت ابوہریرہ رضی نے اپنے شاگرد سے فرمایا تھا اقرأ بہا فی نفسک یا
فارسی کہ حالت اقتداء میں سورۂ فاتحہ کو اپنے نفس میں پڑھو اس کا مطلب ہمارے نزدیک یہ ہے کہ دل دل میں پڑھو کیونکہ
موطا مالک میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی یہ حدیث موجود ہے فانتہی الناس عن القراءۃ فیما جہر فیہ النبی صلی اللہ
علیہ وسلم کہ لوگ جہری نمازوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرارت کرنے سے رک گئے جیسا پہلے گذر چکا ہے جس سے
صاف معلوم ہوا کہ جہری نمازوں میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ قرارت خلف الامام کے قائل نہ تھے۔ قال فی غیث الغمام
قولہ اقرأ بہا المراد من القراءۃ ههنا القراءۃ فی النفس ای الاخطار بالبال من دون ان یتلفظ بہا ای احضر معانیہا فی
نفسک وتدبر فیہا حین یقرأ ہا الامام کذا نقلہ المنذری القاری فی معناہ عن عیسی وابن نافع اھ۔ یعنی حضرت ابوہریرہ
رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ اپنے نفس میں سورۂ فاتحہ پڑھ لو اس کا مطلب یہ ہے کہ دل میں پڑھو اور دل سے سوچتے رہو زبان
سے تلفظ نہ کرو۔ بلکہ اس کے معانی کو دل میں حاضر کرتے اور سوچتے رہو جب کہ امام سورۂ فاتحہ پڑھے زرقانی نے اسی طرح
اس کا مطلب عیسی اور ابن نافع سے نقل کیا ہے اھ ابن نافع امام مالک کے شاگرد ہیں (غیث الغمام) وقال الطحاوی رحمہ اللہ
وکان من الحجۃ علیہم فی ذالک ان حدیثی ابی ہریرۃ وعائشۃ اللذین رووہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کل صلوۃ
لم یقرأ فیہا بام القرآن فہی خداج لیس فی ذالک دلیل علی انہ اراد بذالک الصلوۃ التی تکون وراء الامام فلا یجوز
ان یکون عنی بذالک الصلوۃ التی لا امام فیہا للمصلی واخرج من ذالک الماموم بقولہ من کان لہ امام فقراءۃ الامام
لہ قراءۃ فجعل الامام فی حکم من یقرأ بقراءۃ امامہ فکان الماموم بذالک خارجا من قولہ من صلوۃ لم یقرأ فیہا
بفاتحۃ الکتاب فصلوتہ خداج اھ ص ۱۰۶ ج ۱ —

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ جو لوگ قرارت خلف الامام کے قائل نہیں ہیں ان کی حجت مخالفوں پر یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ
اور حضرت عائشہ کی اس حدیث میں کہ جس نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے اس پر کوئی دلیل نہیں کہ اس
سے وہ نماز مراد ہے جو امام کے پیچھے ہو۔ جائز ہے کہ اس سے وہ نماز مراد ہے جس میں مصلی امام کے پیچھے نہ ہو۔ اس حکم سے
آپ نے مقتدی کو اپنے دوسرے قول سے کہ جس کا کوئی امام ہو اس کی قرارت مقتدی کے لئے قرارت ہے مستثنی کر دیا ہے
جس میں مقتدی کو امام کی قرارت کی وجہ سے حکماً قاری قرار دیا گیا ہے پس مقتدی اس حکم سے مستثنی ہے کہ جو نماز بغیر سورۂ
فاتحہ کے پڑھی جائے وہ ناقص ہے۔

اب صاحب تکمیل انصاف سے بتلائیں کہ حدیث اذا قرأ فانصتوا کی جو تاویل وہ کر رہے ہیں اس کے صحیح اور حق ہونے
کی کیا دلیل ہے؟ جب کہ حدیث میں صاف حکم ہے کہ امام جس وقت قرارت کرے مقتدی خاموش رہیں۔ رہا یہ کہ دارقطنی کی
روایت میں ہے اذا قال الامام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فانصتوا کہ جب امام سورۂ فاتحہ ختم کرے خاموش رہو
جس سے معلوم ہوا کہ خاموش رہنے کا حکم سورۂ فاتحہ کے بعد ہے تو اہل حدیث کو یہ روایت پیش کرتے ہوئے شرمانا چاہیے
یہ منکر روایت ہے تمام ثقات نے اس کو یوں روایت کیا ہے اذا قال الامام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقولوا
آمین۔ جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تم آمین کہو کسی محدث نے فقولوا آمین کو مختصر الفاظ میں فانصتوا

کے لفظ سے بیان کر دیا ہوگا ۔ اس کو کسی عقلمند نے تصحیف اور تبدیل کر کے فانصتوا لکھدیا ۔ ایسی مہمل باتوں سے صاحب تکمیل اپنا
دل خوش کرلیں مگر سمجھنے والے ان کی بے بسی کو خوب سمجھ چکے ہیں اور اگر ان کو صحیح مان جاتے تو ولا الضالین کے بعد جہر سے آمین
کہنا بھی ممنوع ہوگا کیوں کہ حدیث میں ولا الضالین کے بعد خاموش ہونے کا امر ہے فما ھو جوابکم فھو جوابنا ۔

پانچویں دلیل حنفیہ کی طرف سے یہ بیان کرتے ہوئے من کان له امام فقراءت له قراءة (جس کا کوئی امام ہو امام
کی قرارت اس کے لئے قراءت ہے) صاحب تکمیل نے علامہ سندی حنفی کا سہارا ڈھونڈا ہے کہ اس کی سند میں جابر جعفی ہے
جو کذاب ہے اور یہ حدیث صحاح ستہ کی حدیث (عبادہ کے خلاف ہے) اللہ اللہ ! تقلید کا انکار کرنے والے بھی سندی
حنفی کی تقلید کرتے ہیں یا للعجب ! ...... اگر وہ سچے اہل حدیث ہوتے تو اس حدیث کے طرق کی تلاش کرتے ، تاکہ معلوم
ہو جاتا کہ ابن ماجہ کی سند میں جابر جعفی کے ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر سند میں وہی موجود ہو اب سنئے اس حدیث کو
حضرات صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے ۔

جابر بن عبد اللہ ، وعبد اللہ ابن عمر وابو سعید خدری ۔ وابو ہریرہ ۔ وابن عباس ۔ وانس بن مالک ۔ رضی اللہ عنہم اجمعین
حدیث جابر کو جس سند سے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اس میں جابر جعفی ہے مگر اس کی دوسری سند بالکل صحیح ہے جس کو امام
محمد نے موطا میں امام ابو حنیفہ سے موسی بن ابی عائشہ سے عبد اللہ بن شداد سے حضرت جابر رض سے بایں الفاظ روایت
کیا ہے من صلی خلف الامام فان قراءة الامام له قراءة جس نے امام کے پیچھے نماز پڑھی تو امام کی قرارت اس کے لئے
بھی قرارت ہے ۔

اس پر دارقطنی کا یہ فرمانا کہ اس حدیث کو سفیان ثوری اور ابو الاحوص ۔ شعبہ ۔ اسرائیل ۔ شریک ۔ ابو خالد دالانی سفیان
بن عیینہ وغیرہ نے موسی بن ابی عائشہ سے عبد اللہ بن شداد سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مرسلاً روایت کیا ہے (صحابی کا نام حذف
کر دیا) اور وہی درست ہے ہم پر حجت نہیں کیوں کہ مسند احمد بن منیع میں اس حدیث کو سفیان ثوری اور شریک القاضی کے
واسطہ سے مرفوعاً موصولاً روایت کیا گیا ہے ۔ پس یہ کہنا غلط ہے کہ امام ابو حنیفہ نے تنہا اس کو موصول کیا ہے اور اگر مان
لیا جائے تو ابو حنیفہ ہزاروں محدثین سے بڑھ کر ثقہ ہیں ان کا کسی حدیث کو تنہا موصول کرنا بھی اصول محدثین کی بنا پر
واجب القبول ہے ۔ یحیی بن معین کے زمانہ تک امام ابو حنیفہ پر کسی نے بھی جرح نہیں کی تھی مسئلہ خلق قرآن کا فتنہ رونما
ہونے کے بعد بعض محدثین حشویہ نے ان پر جرح شروع کر دی کیوں کہ اس فتنہ میں علماء محدثین پر سختی کرنے والے قاضی
عقیدۃً معتزلی اور فروعاً حنفی تھے حشویہ نے ان قاضیوں سے اس طرح انتقام لیا کہ امام ابو حنیفہ رح امام ابو یوسف رح اور
امام محمد بن حسن شیبانی پر جرح کرنے لگے جو مذہب حنفی کے ستون ہیں ۔ ولما سئل ابن معین عنه قال ثقة مامون ما سمعت
احدا ضعفه هذا شعبة بن الحجاج یکتب الیه ان یحدث وشعبة شعبة ۔ جب یحیی ابن معین سے امام صاحب
کی نسبت سوال کیا گیا فرمایا ثقہ مامون ہیں میں نے کسی کو نہیں سنا کہ ان کو ضعیف کہتا ہے شعبۃ بن الحجاج ان کو حدیث بیان
کرنے کی تاکید خط کے ذریعہ کرتے ہیں اور شعبہ شعبہ ہی ہے ۔

بڑے بڑے ائمہ نے امام صاحب کی تعریف کی ہے جیسے عبد اللہ بن المبارک اور ان کا شمار تو امام صاحب کے شاگردوں
میں ہے اور سفیان بن عیینہ ۔ سفیان ثوری ۔ حماد بن زید ۔ عبد الرزاق ۔ وکیع بن الجراح اور یہ تو امام صاحب کے فقہ پر فتویٰ
دیا کرتے تھے ۔ نیز ائمہ ثلثہ امام مالک وشافعی واحمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم نے بھی امام صاحب کی بہت مدح وثنا کی

امام صاحب کی تضعیف وتنقیص ہے عینی شرح بخاری ص ۱۳ ج ۶۲ — اور تاریخ خطیب بغدادی میں جو بعض بڑے لوگوں سے منقول ہے یہ سب فتنہ خلق قرآن کے بعد جماعت حشویہ کی گھڑت ہے کیوں کہ یہ تمام خرافات عموماً مجہولین، مجروحین، کذابین کے ذریعہ سے روایت کی گئی ہیں اور خطیب کی وفات کے بہت بعد اس کی تاریخ میں ملحق کی گئی ہیں۔ خطیب بغدادی نے ثقات کے ذریعہ سے بجز مناقب و فضائل کے کچھ ذکر نہیں کیا جس کی تفصیل کا شوق ہے۔ میرا مستقل مضمون "خطیب بغدادی اور منکرین حدیث" مطبوعہ رسالہ ماہ واری الصدیق ملتان شہر بابت ۱۹۵۷،۵۸ء مطالعہ کریں۔ رہے دوسرے طرق جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ و ابو سعید خدری و ابو ہریرہ و ابن عباس و انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں ان کے بعض راویوں پر اگرچہ دارقطنی ؒ نے کلام کیا ہے مگر ان میں اکثر ایسے ہیں جو بعض محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں پھر اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ چند ضعیف مل کر حسن اور کبھی صحیح کے درجہ پر پہنچ جاتے ہیں۔ پس یہ کہنا غلط ہے کہ حنفیہ کے گھر کا فیصلہ ہے کہ یہ حدیث قابل تسلیم نہیں اگر صاحب تکمیل عینی شرح بخاری کا مطالعہ کر لیتے تو معلوم ہو جاتا کہ حنفیہ کے نزدیک یہ حدیث بالکل صحیح بلکہ صحیح سے بھی اوپر ہے کیوں کہ اس کو خود امام محمد نے امام ابو حنیفہ سے موطا اور کتاب الآثار میں بسند صحیح روایت کیا ہے پھر امام دارقطنی نے جو اس کو مرسلاً صحیح کہا ہے۔ ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ عبداللہ بن شداد صحابی صغیر ہیں اور جب امام شافعیؒ کے نزدیک سعید بن المسیب جیسے تابعی کبیر کا مرسل قابل قبول ہے تو صحابی صغیر کا مرسل بدرجہ اولیٰ مقبول ہوگا کیوں کہ مراسیل صحابہ کو بالاتفاق سب نے قبول کیا ہے۔ اس کے بعد صاحب تکمیل نے امام بخاری کا ایک فیصلہ نقل کیا اور دعویٰ کیا ہے کہ یہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حدیث من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ عام ہے اور حدیث عبادہ میں الا بام القرآن سے سورۂ فاتحہ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ اس کی ایسی مثال ہوئی جیسے ایک حدیث میں ہے کہ میرے لئے ساری زمین نماز کی جگہ بنائی گئی ہے پھر دوسری حدیث میں الا المقبرۃ والحمام کہہ کر قبرستان وغیرہ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ امام طحاوی نے بھی تو یہی فرمایا ہے کہ حدیث ابو ہریرہ کل صلوٰۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فہی خداج (جس نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھی جائے وہ خداج ہے) عام ہے جس میں سے حدیث من کان لہ امام فقراءۃ لہ قراءۃ نے مقتدی کو مستثنیٰ کر دیا ہے اور اس کو امام کی قراءت کی وجہ سے قاری قرار دیا گیا ہے تو اس کی کیا وجہ کہ امام بخاری کا قول تو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے اور امام طحاوی کا قول آب زر سے لکھنے کے قابل نہ ہو یہ محض زبردستی اور عصبیت ہے اور کچھ نہیں۔ حالانکہ لفظ قراءت کو عام کہنا غلط ہے اور حدیث ابو ہریرہ میں کل صلوٰۃ کا عام ہونا صحیح اور واضح ہے پھر ہم بتلا چکے ہیں کہ حدیث عبادہ میں جملہ استثنائیہ الا بام القرآن کو امام فن یحییٰ بن معین نے ضعیف کہا ہے اس کی وجہ سے حدیث من کان لہ امام الخ میں تاویل کرنا صحیح نہیں اور حدیث من کان لہ امام صحیح حدیث ہے نیز حدیث مسلم اذا قرأ فانصتوا اور نص قرآن واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا کے موافق ہے اس کو حدیث عبادہ رض اور حدیث ابو ہریرہ رض کے لئے مخصص قرار دینا درست ہے۔ پس امام طحاوی کا قول بہت وزنی ہے جس کے سامنے امام بیہقی وغیرہ کی تاویل کی کوئی حقیقت نہیں۔ رہا یہ کہ دارقطنی (اور بیہقی) نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ظہر یا عصر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھی تھی آپ نے نماز کے بعد دریافت کیا یہ کون میرے پیچھے قراءت کر رہا تھا؟ تین بار دریافت فرمایا ایک شخص نے کہا میں نے قراءت کی تھی فرمایا میں دیکھ رہا تھا کہ تم قرآن میں مجھ سے منازعت کر رہے تھے جو شخص امام کے پیچھے قراءت کرے اس کو امام کی قراءت

کافی ہے الخ تو یہ حدیث تو حنفیہ کی دلیل تھی جس کو مغالطہ کے طور پر صاحب تکمیل اپنی دلیل بنا رہے ہیں۔ حدیث سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اس شخص نے آہستہ قرات کی تھی اگر جہر سے قرات کی ہوتی تو حضورؐ کو تین بار دریافت کرنے کی نوبت نہ آتی صحابہ پہلے ہی سوال پر کہہ دیتے کہ فلاں نے قرات کی تھی پھر آپ کا یہ فرمانا کہ جو امام کے پیچھے نماز پڑھے امام کی قرات اس کے لئے قرات ہے صاف بتلا رہا ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کو قرات نہ کرنا چاہیے اس سے یہ سمجھنا کہ سورۃ فاتحہ کے سوا اور کوئی سورت نہ پڑھے زبردستی کی تاویل ہے جو ہرگز حضورؐ کے ارشاد سے مفہوم نہیں ہو سکتی بلکہ اس سے تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ سری نمازوں میں بھی آپ کو مقتدی کی قرات گوارا نہ تھی۔ اور یہ کہ عام طور سے صحابہ حضورؐ کے پیچھے قرات نہ کرتے تھے ایک دو نا واقف ایسا کرتے تو حضورؐ ان کو قرات سے روک دیتے تھے اگر سب صحابہ قرات کرتے ہوتے تو بقیہ مقتدی یہ ضرور کہتے کہ ہم نے تو صرف سورۃ فاتحہ پڑھی تھی مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ سب خاموش رہے۔ پھر قرات کرنے والے نے بھی یہ نہیں کہا کہ میں نے سورۃ فاتحہ اور سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھی تھی اس نے بھی صرف سبح اسم ربک الاعلیٰ کی قرات کا اقرار کیا جس سے معلوم ہوا کہ قرات فاتحہ خلف الامام کا صحابہ کو اہتمام نہ تھا پھر اگر قرات فاتحہ خلف الامام لازمی تھی تو اس شخص کو آپ مطلقاً قرات سے منع نہ کرتے بلکہ صاف فرما دیتے کہ فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھا کرو حضرت جابر کی حدیث کے کسی طریق میں بھی قرات فاتحہ کا استثناء مذکور نہیں اور حدیث عبادہ کے جملہ استثنائیہ کا حال اوپر گذر چکا ہے کہ ائمہ حدیث نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے پس حنفیہ کی دلیل کو اپنی دلیل بنانے والا خود جہالت کا ارتکاب کر رہا ہے وہ اس خطاب کا جو دوسروں کو دے رہا ہے خود ہی مستحق ہے۔

اس کے بعد چھٹی دلیل عبداللہ بن مسعود کی حدیث کنز العمال کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے اذا صلی احدکم خلف الامام فلینصت فان قراءتہ لہ قراءۃ وصلوٰتہ لہ صلوٰۃ (جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے خاموش رہے کیونکہ اس کی قرات اس کے لئے قرات ہے اور اس کی نماز اس کی نماز ہے) اس حدیث کو اول تو ضعیف کہا گیا ہے مگر ہم بتلا چکے ہیں کہ یہ حدیث چند صحابہ کی روایت سے ہے جن میں عبداللہ بن مسعود صحابی کا بھی اضافہ ہو گیا۔ اور حدیث ضعیف کا تعدد طرق سے حسن یا صحیح کے درجہ پر پہنچ جانا اصول حدیث میں مصرح ہے پھر اس حدیث کے بعض طرق یقیناً صحیح ہیں اور بعض حسن ہیں جیسا پہلے اپنے دلائل میں ہم بیان کر چکے ہیں اور یہ بھی گذر چکا ہے کہ حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو حضرت جابر کی روایت سے مشہور قرار دیا ہے اور حدیث مشہور کا جو درجہ ہے اہل حدیث اس سے ناواقف نہیں ہے پھر اس میں بھی وہی بے تکی تاویل کی گئی ہے کہ لفظ قرات عام ہے جس سے بوجہ حدیث عبادہ کے سورۃ فاتحہ مستثنیٰ ہے الخ اس تاویل کا لغو ہونا ابھی بیان ہو چکا ہے پھر ایک عجیب الزام دیا گیا ہے کہ اگر جملہ فان قراءتہ لہ قراءۃ سے یہ مطلب لیا گیا کہ امام کی قرات مقتدی کو کافی ہے اس کو سورۃ فاتحہ پڑھنے کی ضرورت نہیں تو جملہ وصلوٰتہ لہ صلوٰۃ کا بھی یہی مطلب ہوگا کہ امام کی نماز مقتدی کو کافی ہے تو اقتداء کے بعد ارکان نماز مثلاً رکوع و سجود وغیرہ کی بھی مقتدی کو ضرورت نہ ہوگی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ صاحب تکمیل کے نزدیک صلوٰۃ نام ہی سورۃ فاتحہ کا ہے جیسا حدیث قسمت الصلوٰۃ بینی وبین عبدی کی تفسیر میں صفحہ ۵۳ پر امام رازی سے نقل کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث میں سورۃ فاتحہ کو صلوٰۃ فرمایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اگر فاتحہ نہ ہو تو نماز ہی نہیں الخ جب آپ کے نزدیک سورۃ فاتحہ ہی کا نام صلوٰۃ ہے تو حدیث ابن مسعود کا حاصل یہ ہوگا کہ امام کی قرات مقتدی کی قرات ہے اور اس کی سورۃ فاتحہ مقتدی

قائل کرے جس کا مطلب ہے کہ امام کی نماز صحت و فساد کو متضمن ہے۔ [line order uncertain]

خاص کر بعد قرأت کے بعد خاص سورۂ فاتحہ کا ذکر اس لئے فرمایا گیا کہ شاید کوئی یہ سمجھے کہ قرأت کی سورۂ فاتحہ اس کو خود پڑھنے کی ضرورت نہیں اور قرأت کے بعد خاص سورۂ فاتحہ کا ذکر اس لئے فرمایا گیا کہ شاید کوئی یہ سمجھے کہ قرأت سے مراد ماسوائے فاتحہ ہے اس لئے اس شبہ کو رفع کر دیا گیا یہ تو الزامی جواب تھا دیکھیں صاحب تکمیل اس الزام کو کس طرح اپنے اوپر سے دفع کرتے ہیں۔

تحقیقی جواب یہ ہے کہ جملہ وصلوٰۃ لہ صلوٰۃ کا وہی مطلب ہے جو حدیث الامام ضامن کا مطلب ہے کہ امام کی نماز صحت و فساد متضمن صلوٰت مقتدی ہے یعنی اگر امام کی نماز صحیح ہوگی اس کی بھی صحیح ہوگی اس کی فاسد ہوگی تو اس کی بھی فاسد ہوگی چنانچہ ابو داؤد کی ایک روایت میں اسی مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے قال وحدثنا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لقد اعجبنی ان تکون صلوٰۃ المسلمین او المومنین واحدۃ الخ۔ حضرت معاذ بن جبل نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی نماز ایک نماز ہو الخ۔ جماعت کی نماز کو آپ نے ایک نماز قرار دیا ہے الگ الگ بہت سی نمازیں قرار دی نہیں اور عرفاً و عادتاً بھی جماعت کی نماز کو ایک ہی نماز شمار کیا جاتا ہے اور اسی لئے کہ جماعت کی نماز ایک نماز ہے سترہ صرف امام کے سامنے کافی ہے ہر مقتدی کے آگے الگ الگ سترہ کی ضرورت نہیں تو ایک نماز کے لئے ایک قرأت اور ایک ہی فاتحہ کافی ہے ہر ایک کو قرأت کی ضرورت نہیں بقیہ ارکان کو قرأت پر قیاس کرنا غلط ہے کیوں کہ امام کی قرأت کے لئے تو استماع و انصات کا قرآن و حدیث میں صاف حکم ہے اور رکوع و سجدہ کے لئے نیابت کافی نہیں سمجھی گئی بلکہ مقتدیوں کو صاف حکم ہے اذا رکع فارکعوا و اذا سجد فاسجدوا جب امام رکوع کرے تم بھی رکوع کرو جب وہ سجدہ کرے تم بھی سجدہ کرو اور یہی عام عادت بھی ہے کہ جب دربار شاہی میں بہت سے لوگ ایک درخواست لے کر پہنچتے ہیں تو افعال تعظیمی تو ہر شخص بجالاتا ہے مگر گفتگو رئیس وفد کرتا ہے ہر شخص الگ الگ گفتگو نہیں کرتا اور درخواست قبول ہونے کے بعد پھر ہر شخص شکریہ الگ الگ ادا کرتا اور آداب تعظیمی بجالاتا ہے یہی صورت شریعت نے نماز میں رکھی ہے کہ اول سب تکبیر کہیں آداب شاہی بجالائیں اس کے بعد درخواست پیش کرنا امام کا کام ہے جب وہ سورۂ فاتحہ کے بعد دوسری سورت پڑھتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بمنزلہ جواب کے ہے تو ہر شخص آداب تعظیمی بجالاتا ہے اور رکوع و سجدہ میں شکریہ اور تعظیم کے الفاظ ادا کرتا ہے اگر اہل حدیث انصاف سے کام لیں تو ان کے لئے اتنا سمجھ لینا ہی کافی ہے کہ جس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام اور مقتدی دونوں کے فرائض بیان فرمائے ہیں یعنی حدیث انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا کبر فکبروا و اذا رکع فارکعوا و اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا اللّٰھم ربنا لک الحمد و اذا سجد فاسجدوا الخ امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اتباع کی جائے جب وہ تکبیر کہے تکبیر کہو جب رکوع کرے رکوع کرو جب سمع اللہ لمن حمدہ کہے اللّٰھم ربنا لک الحمد کہو جب سجدہ کرے سجدہ کرو اس کی کسی روایت میں بھی یہ نہیں ہے و اذا قرأ فاقرؤا کہ جب امام قرأت کرے تم بھی قرأت کرو اگر مقتدی کے ذمہ امام کی قرأت کے ساتھ قرأت فرض یا واجب ہوتی تو اس کا بیان اس حدیث میں ضروری تھا جس میں امام اور مقتدی دونوں کے فرائض بیان کئے جا رہے ہیں اس حدیث میں اگر ہے تو اذا قرأ فانصتوا ہے کہ جب امام قرأت کرے تم خاموش رہو ملاحظہ ہو صحیح مسلم و ابو داؤد پس جس کو قرأت فاتحہ خلف الامام کے فرض ہونے کا دعویٰ ہے وہ اس حدیث کے کسی طریق میں اذا قرأ فاقرؤا دکھلائے کیوں کہ اسی حدیث میں امام اور مقتدی دونوں کے فرائض کا بیان ہے حدیث عبادہ پیش کرنا کافی نہیں کیوں کہ اس میں امام اور مقتدی کے فرائض کا بیان نہیں بلکہ راوی حدیث سفیان بن عیینہ اور زہری وغیرہ نے خود کہہ دیا ہے کہ وہ تنہا نماز پڑھنے والے کے متعلق ہے اور اسی کو امام احمد نے بیان فرمایا ہے۔

ساتویں دلیل صحیح مسلم سے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا گیا ہے لا قرأۃ مع الامام فی شئ من الصلوٰۃ کہ امام کے ساتھ کسی نماز

میں بھی قرات نہیں ہے (امام طحاوی کے الفاظ یہ ہیں لا تقرأ مع الامام فی شیئ من الصلوات ورجالہ ثقات۔ امام کے ساتھ کسی نماز میں قرات نہ کرو اور اس کے راوی سب ثقہ ہیں) اس کے بعد وہی بے تکی تاویل اس میں بھی کی گئی ہے کہ یہ اثر ماسوا فاتحہ پر محمول ہے اور ــــــ دیدہ دلیری کے ساتھ فرماتے ہیں کہ یہ جواب صحیح مسلم کے اسی صفحہ پر موجود ہے الخ کوئی ان سے پوچھے کہ امام نووی کی تقلید کس دن سے واجب ہو گئی جو ان کے جواب کو ماننا حنفیہ پر لازم ہو گیا اور نہ مانیں تو شپرہ چشم کہلائیں۔ مگر جو لوگ امام طحاوی کے جواب کو نہ دیکھیں نہ مانیں ان کے لئے کیا لقب تجویز کیا جائے گا؟ یہ ہے اہل حدیث کی دیانت اور تہذیب کہ اپنے مطلب کی بات کسی جگہ سے مل جائے تو فوراً مقلد بن جاتے ہیں اور اس کے ملنے پر ایسا زور دیتے ہیں کہ گویا آسمان سے وحی نازل ہو گئی ہے کہ اثر زید بن ثابت کا وہی مطلب ہے جو امام نووی نے بیان کیا یا امام بیہقی نے اپنے مذہب کی رعایت وحمایت میں کچھ لکھ دیا ہے میں پوچھتا ہوں کہ زید بن ثابت کے اثر میں فاتحہ یا غیر فاتحہ کا ذکر ہی کہاں ہے اور اگر اسی طرح کی تاویلوں سے کام لیا جائے گا تو آپ کی ایک دلیل بھی قائم نہ رہ سکے گی ہر شخص کو اختیار ہو گا کہ آپ کے تمام دلائل کو منفرد پر محمول کر دے اور تائید میں حدیث اذا قرأ فانصتوا اور نص قرآنی اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کو پیش کر دے پھر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ آپ کی تاویل اور امام نووی اور بیہقی کا قول تو حجت ہے اور دوسرے کی تاویل اور امام احمد وسفیان بن عیینہ اور زہری اور طحاوی اور علامہ عینی کے اقوال حجت نہ ہوں؟ اگر آپ سچے اہل حدیث ہیں تو صرف حدیث کے الفاظ سے استدلال کیجئے ادھر اُدھر سے اپنی قیدیں نہ بڑھائیے اس راستے سے آپ چلیں گے تو ان شاء اللہ حنفیہ کے مسلک کی قوت کھلی آنکھوں نظر آ جائے گی آپ نے حنفیہ کے جتنے دلائل پر کلام کیا ہے وہ صاف الفاظ میں قرات فاتحہ خلف الامام کے ممنوع ہونے یا فرض وواجب نہ ہونے کو ظاہر کر رہے ہیں مگر آپ امام نووی یا بیہقی یا امام رازی وغیرہ کی تقلید کا سہارا لے کر ان میں وہ تاویلیں کرتے ہیں جس کا آپ کو کوئی حق نہیں ڈوبتے کو تنکے کا سہارا اسی کا نام ہے آخر میں امام احمد بن حنبل اور علامہ ابن تیمیہ کا قول پھر یاد دلاتا ہوں امام احمد فرماتے ہیں "ہم نے اہل اسلام میں سے کسی کو یہ کہتے نہیں سنا کہ جب امام قرات جہر سے کر رہا ہو اور اس کے پیچھے مقتدی قرات نہ کرے تو ان کی نماز صحیح نہ ہو گی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ اور تابعین اور اہل حجاز میں امام مالک اہل عراق میں امام سفیان ثوری اہل شام میں امام اوزاعی اہل مصر میں امام لیث بن سعد ان میں سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ جو شخص مقتدی ہو اور اس کا امام قرات کر رہا ہو وہ قرات نہ کرتا ہو تو اس کی نماز باطل ہے اھ موفق ابن قدامہ نے امام احمد رح کا یہ قول نقل کر کے اس مسئلہ میں اجماع کا دعویٰ کیا ہے ص۶۰۶ ج۱ علامہ عینی نے شرح بخاری میں فرمایا ہے کہ قرات خلف الامام کی ممانعت بڑے بڑے اسی صحابہ سے منقول ہے جن میں حضرت علی رض اور عبادلہ ثلثہ (عبداللہ بن مسعود رض، عبداللہ بن عمر رض۔ عبداللہ بن عباس رض) بھی ہیں محدثین کو ان کے صحابہ کے نام معلوم ہیں ان حضرات کا اس پر اتفاق کرنا بمنزلہ اجماع کے ہے اسی لئے صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ ترک قرات خلف الامام پر صحابہ کا اجماع ہے اکثر کے اتفاق کو اجماع کہہ دیا گیا کیوں کہ ہمارے نزدیک اس کو بھی اجماع کہا جاتا ہے اور شیخ امام عبداللہ بن یعقوب حارثی نے اپنی کتاب کشف الاسرار میں فرمایا ہے کہ عبداللہ بن زید بن اسلم نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے دس حضرات قرات خلف الامام سے بہت سختی کے ساتھ منع فرماتے تھے (جن کے نام یہ ہیں) ابوبکر صدیق رض عمر بن الخطاب رض، عثمان بن عفان رض علی ابن طالب رض، عبدالرحمان بن عوف رض۔ سعد بن ابی وقاص رض، عبداللہ بن مسعود رض، زید بن ثابت رض۔ عبداللہ بن عمر رض عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اھ۔ اس کے بعد علامہ عینی نے متعدد صحابہ کے اقوال بحوالہ کتب واسانید بیان کئے ہیں جن کو ہم نے اپنے دلائل میں پہلے ہی بیان کر دیا ہے علامہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب تنوع العبادات میں فرمایا ہے کہ سلف نے

عام طور پر قراءت خلف الامام کو مکروہ سمجھا ہے جب کہ امام قراءت جہر سے کر رہا ہو اور اکثر ائمہ سورۂ فاتحہ کے بعد سکوت طویل نہ کرتے تھے (تاکہ مقتدی فاتحہ پڑھ لیں) جہری نمازوں میں (امام کے پیچھے) قراءت کرنے والے بہت کم تھے اور اس سے کتاب اللہ نے بھی منع کیا ہے اھ۔ اور سنتِ رسول ﷺ نے بھی اور جمہور سلف و خلف بھی اس سے منع کرتے ہیں اور قراءت خلف الامام کی صورت میں نماز کے باطل ہونے میں اختلاف ہے بعض علماء کے جہری نماز میں بھی مقتدی پر قراءت فاتحہ خلف الامام کو واجب کرتے ہیں اور اگر قراءت نہ کرے تو نماز کے باطل ہونے میں اختلاف ہے پس نزاع دونوں طرف ہے لیکن جو لوگ قراءت خلف الامام سے منع کرتے ہیں ان کے ساتھ جمہور سلف و خلف ہیں اور کتاب اللہ بھی اور سنتِ صحیحہ بھی۔ اور جو لوگ اس حالت میں مقتدی پر قراءت کو واجب کرتے ہیں ان کی حدیث کو ائمہ نے ضعیف کہا ہے ابو داؤد نے اس کو روایت کیا ہے اور حدیث ابو موسیٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو واذا قرأ فانصتوا (جب امام قراءت کرے خاموش رہو) امام احمد و اسحٰق اور امام مسلم وغیرہم نے صحیح بتلایا ہے بخلاف اس حدیث کے جو حضرت عبادہ سے روایت کی گئی ہے لاتفعلوا الابام القرآن کہ امام کے پیچھے نہ پڑھے مگر سورۂ فاتحہ وہ صحیح میں شامل نہیں کی گئی اور اس کا ضعیف ہونا چند وجوہات سے ثابت ہو چکا ہے در اصل وہ حضرت عبادہ کا قول ہے اھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے —

الحمد للہ کہ آج بروز چہار شنبہ ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۸۰ھ رسالہ تکمیل البرہان کا جواب تمام ہوا جس سے ناظرین کو بخوبی اندازہ ہو گیا ہو گا کہ مسئلہ قراءت خلف الامام میں امام ابو حنیفہ کا مسلک کتاب اللہ اور سنتِ صحیحہ اور اجماع جمہور سلف و خلف سے مؤید ہے اور جو اہل حدیث مقتدی کی نماز کو بوجہ ترک قراءت فاتحہ خلف الامام کے باطل کہتے ہیں ان کے پاس کوئی دلیل صریح نہیں بلکہ امام کے پیچھے قراءت کرنے والوں کی نماز درست ہی ہو جائے تو غنیمت ہے کیوں کہ قرآن میں اور سنتِ صحیحہ میں مقتدی کو قراءت قرآن کے وقت خاموش رہنے کا حکم ہے قراءت سے منع کیا گیا ہے اور اہل حدیث کے اصول پر نہی کی مخالفت سے عمل باطل ہو جاتا ہے اگرچہ حنفیہ کے نزدیک باطل نہیں ہوتا پس ان کو امام ابو حنیفہ کا احسان مند ہو جانا چاہیئے کہ وہ قراءت خلف الامام کی وجہ سے ان کی نمازوں کو باطل نہیں کہتے ورنہ خود اصول اہل حدیث کا مقتضی یہ ہے کہ آیت اذا قرأ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کی مخالفت سے جس کا نزول بالاجماع قراءت خلف الامام کے بارے میں ہوا ہے جیسا امام احمد بن حنبل نے فرمایا ہے نیز حدیث صحیح اذا قرأ القرآن فانصتوا کی خلاف ورزی سے جو صاف طور سے مقتدیوں کے متعلق وارد ہے کہ جب امام قراءت کرے خاموش رہو اہل حدیث کی نمازیں باطل ہو جانی چاہئیں جیسا صوم یوم النحر کو اسی بنا پر باطل کہتے ہیں کہ شارع کی نہی موجب بطلان عمل ہے امید ہے کہ اہل فہم اس نکتہ کو سمجھ گئے ہوں گے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عصبیت جاہلیہ سے بچائے اور ائمہ سلف کی عظمت و ادب کا پاس کرنے کی توفیق دے اور اس رسالہ کو مقبول عام و خاص بنائے۔

جو صاحب اس کو مستقل چھاپنا چاہیں وہ لوح پر اس کا نام فاتحۃ الکلام فی القراءۃ خلف الامام تحریر فرما دیں —

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین والحمد للہ الذی بنعمتہ وبعزتہ وجلالہ تتم الصالحات —

اعتراف

ماہ نومبر کے فاران میں جناب رشید احمد صدیقی کی کتاب "ہم نفسان رفتہ" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا گیا تھا "عجب نخمیٰ آج تک سننے اور پڑھنے میں نہیں آیا ... اس لفظ کے بارے میں ہم نے بعض دوسرے شاعروں اور ادیبوں سے بھی دریافت کیا سب نے یہی کہا کہ یہ لفظ ہم نے سنا ہی نہیں، ہاں ایک صاحب نے البتہ یہ فرمایا کہ یہ لفظ کسی کتاب میں ضرور نظر سے گزرا تھا مگر اس کے معنی اور مفہوم کا مجھے علم نہیں ہے۔" ہفتہ وار "صدق جدید" کے ہم شکر گزار ہیں کہ اس نے ہماری کم علمی اور بے خبری

ہماری نظر میں

تفسیر ایوبی
تفسیر سورۂ فاتحہ

از:- علامہ محمد ایوب دہلوی، ضخامت ۲۷۷ صفحات، خوبصورت جلد، سنہری ڈائی کے ساتھ، کتابت جلی اور دیدہ زیب، طباعت صاف و مجلّی، کاغذ سفید اور چکنا (قیمت درج نہیں)
ملنے کا پتہ :- شیخ شجاع الحق دہلوی، ۵، گارڈن روڈ کراچی

حضرت مولانا محمد ایوب دہلوی ایک حق پسند عالم دین ہیں اور ساتھ ہی عالم باعمل بھی ہیں، تجارت کے ذریعہ اپنی روزی مہیا کرتے ہیں، اس لئے حق کے معاملہ میں کسی سے دب کر اور جھجک کر بات نہیں کرتے، تقسیم ہند سے قبل مولانا موصوف نے دلی میں کم و بیش تیس سال تک طالبانِ حق کے سامنے وعظ کو تبلیغ دین کا ذریعہ بنایا تھا، اور پاکستان بننے کے بعد تیرہ سال سے مہینہ میں دوبار پابندی کے ساتھ حقائق و معارف کے دریا بہا رہے ہیں، اُن کی محفل میں شروع شروع میں دس بارہ آدمی ہوتے تھے، مگر اب اس تعداد میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے، کسی کسی دن تو حاضرین کی تعداد سو سے بھی بڑھ جاتی ہے، ہم نے متعدد بار مولانا موصوف کے درس میں شریک ہو کر استفادہ کیا ہے۔

مسٹر پرویز کے پاس علامہ محمد ایوب دہلوی نے پیغام بھجوایا تھا کہ وہ اُن سے "حدیث" کے مسئلہ میں گفتگو کرنے کے لئے تیار ہیں، پرویز صاحب اپنے تمام شبہات پیش کر سکتے ہیں، اُن کے جوابات عقل و نقل اور درایت و روایت کے دلائل کے ساتھ دیئے جائیں گے، مگر پرویز صاحب صاف کنّی کاٹ گئے، اور مولانا موصوف سے گفتگو کرنے کی پرویز کو ہمت ہی نہیں ہوئی!

مولانا محمد ایوب دہلوی (متعنا اللّٰہ بطول حیاتہ) وعظ و بیان کے مردِ میدان کیا، یوں کہیئے اس حکومت کے بادشاہ ہیں، مگر انھوں نے تصنیفی کام زندگی بھر نہیں کیا اور ضرورتاً کیا بھی ہے تو وہ اُن کی تقریر کے مقابلہ میں قابلِ ذکر نہیں ہے! مہینہ میں دوبار مولانا موصوف جو تقریر فرماتے ہیں اُسے ٹیپ ریکارڈ میں محفوظ کر لیا جاتا ہے، یا بعض حضرات لکھتے بھی جاتے ہیں، "تفسیر ایوبی" انہی نوشتوں اور ٹیپ ریکارڈوں سے مُرتب کی گئی ہے، اس لئے اس کتاب میں تصنیفی اندازِ کم اور تقریری انداز بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔

"تفسیر ایوبی" پر مختصر سا پیش لفظ مولانا حکیم سید عبدالجبار صاحب نے لکھا ہے، جو برسوں سے ریڈیو پاکستان پر درسِ قرآن دے رہے ہیں اور جن کو بجا طور پر "مفسرِ قرآن" کہا جا سکتا ہے! کتاب کے شروع کے بچپتر صفحات میں "اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم" کی شرح کی گئی ہے۔ "استعاذہ واجب ہے یا مستحب؟" اس بحث کو فاضل مفسر نے چھیڑ کر، آخر میں بیان کیا ہے:-

> "بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ عُلمار کے دو گروہ ہیں، ایک گروہ کے نزدیک استعاذہ واجب ہے اور دوسرے گروہ کے نزدیک مستحب! پہلے گروہ نے وجوبِ استعاذہ پر جو دلائل بیان کئے ہیں، وہ سب ناقص ہیں لہٰذا دوسرے گروہ (یعنی جمہور عُلمار) کا مذہب ہی حق ہے، یعنی استعاذہ

واجب نہیں بلکہ مستحب ہے"۔

مولانا موصوف کی "تفسیر" کا ایک مختصر سا اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ کتنی نازک بات کو کس قدر ہیجان کے ساتھ بیان کر جاتے ہیں:—

"اب اگر کوئی یہ کہے کہ "کن" کا خطاب موجود کو ہے یا معدوم کو، اگر موجود کو ہے تو جو موجود ہے وہ اور کیا موجود ہوگا، اگر معدوم کو ہے تو معدوم کی طرف خطاب جائز نہیں، تو میں کہوں گا یہ خطاب تکوینی ہے، یعنی اسی خطاب سے وجود ہوا ہے، یعنی معدوم اسی خطاب سے موجود ہوا ہے، اور خطاب تکلیفی میں مخاطب کو موجود ہونا چاہیے، خطاب تکوینی میں اسی خطاب تکوینی سے مخاطب موجود ہوتا ہے"۔

علامہ محمد ایوب دہلوی کی تقریر کا انداز "کلامی" ہوتا ہے، فلسفہ و کلام کے بڑے غامض نکات وہ اپنی تقریر میں بیان کر جاتے ہیں۔ "کلامی مباحث" میں وہ غیر معمولی درک و بصیرت رکھتے ہیں "کلامی استدلال" کے ذریعہ کتاب و سنت کی شرح اور تفسیر میں وہ ممتاز و منفرد شخصیت کے حامل ہیں، اس کتاب میں بھی یہی "کلامی رنگ" غالب ہے، اس لئے "تفسیر ایوبی" سے عوام مسلمان تو کم ہی فائدہ اٹھا سکیں گے ہاں اہل علم کو اس سے نفع ہوگا!

"میں کہتا ہوں اس کا حل یہ ہے کہ قدرت چونکہ لامتناہی ہے، اور ظرف لامتناہی میں ہے، اور وہ ظرف قادر ہے، اور مقدور ظرف متناہی میں ہے اور وہ ظرفِ متناہی تعلق قدرت ہے، اور تعلق چونکہ اس کے لئے اول ہے، تو ظرف تعلق عالم نہایت ہوگیا اور قدرت عالم لامتناہی ہے، وہ عالم متناہی یعنی ظرفِ مقدور میں سما نہیں سکتی..." (ص ۱۴۸)

اس قسم کے مباحث میں عوام کے کیا پلے پڑ سکتا ہے؟

صفحہ ۷۵ پر جو "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" کو "حدیث رسول" کہا گیا ہے یہ بہت کمزور بات ہے، اسی طرح ص ۱۹۰ پر جو روایت "انگوٹھی" پر "لا الٰہ الا اللہ" نقش کرانے کی حکایت کے ساتھ درج کی گئی ہے، وہ بھی ان ضعیف روایتوں میں شامل ہے جسے واعظ صاحبان گرمیٔ محفل کے لئے بیان کیا کرتے ہیں، قرآن کی تفسیر میں صحیح احادیث درج کرنی چاہئیں!

ص ۱۱۲ پر فاضل مفسر نے "شریعت، طریقت اور حقیقت" کے تین درجوں کی جو صوفیانہ تشریح فرمائی ہے، اس کی آخر اصل و سند کیا ہے؟ "کتاب و سنت" میں ان "مدارج" کا ذکر نہیں ملتا، حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دین ہی سب کچھ ہے یہی شریعت ہے یہی طریقت ہے، یہی حقیقت ہے!

"تفسیر ایوبی" کی افادیت اور اہمیت بہر حال اپنی جگہ مسلّم ہے "کلامی مباحث" کے باوجود، اس میں یقین و ایمان کی جو روح ملتی ہے، وہ قدر و ستائش کی مستحق ہے، مولانا محمد ایوب دہلوی کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کے فلسفہ و کلام کی ساری قوت شبہات و شکوک دور کرنے میں صرف ہوتی ہے اور ان کی تقریریں ایمان و یقین کو جلا دیتی ہیں۔

مرزا نظام شاہ لبیب، سراج الدین شاہ ظفر کے پڑپوتے تھے۔ وہ بچپن ہی میں اپنے والد کے ساتھ دکن چلے گئے، وہیں نشو و نما اور تعلیم و تربیت پائی اور دکن ہی میں اُن کی جوانی اور بڑھاپا بسر ہوا، لبیب تیموری مرحوم ایک خوش گو اور پُر گو شاعر تھے، انھوں نے غزلیں ہی نہیں نظمیں اور گیت بھی کہے ہیں، اُن کے کلام میں تصوف اور فلسفہ کی جھلکیاں بھی ملتی ہیں، انھوں نے قوم کو پیغام بھی دیا ہے اور مناظرِ فطرت کی عکاسی بھی کی ہے۔ ہمہ گیر طبیعت پائی تھی اور زبان و ادب میں ناقدانہ نگاہ رکھتے تھے! اُن کا نام اور کام گمنامی ہی میں رہتا اگر اُنکے سعادت مند فرزند عرش تیموری اُن کے کلام کے چھپوانے کا اہتمام نہ فرماتے!

"آتشِ خزاں" پر "تعارف" جناب سید ہاشمی فرید آبادی نے تحریر کیا ہے مرزا لبیب تیموری کے حالاتِ زندگی جناب عرش تیموری نے قلمبند کئے ہیں کہ بیٹے سے زیادہ باپ کی زندگی کو اور کون جان سکتا ہے!

کتاب کو بڑے سلیقہ سے مُرتب کیا گیا ہے، ترتیب اس انداز پر ہے :—

نظمیں	روشنی ہفت پیکر
غزلیں	رقصِ بے سُرود
بچوں کی نظمیں	گلبنِ تمنا
گیت اور نغمے	غسلِ آتشیں
متفرقات	صدائے ناشنیدہ

منتخب اشعار :—

نفس نفس رواں دواں ہے، عمر، مست و بے خبر
نہ سمت ہے نہ رہگذر، مگر ہے بر سرِ سفر
خرام اک خیال ہے، قیام ایک انتظار

یکایک عالمِ بے لفظ کے چشمے اُبلتے ہیں!
نہ جانے کس طرح لفظوں کے سانچے میں یہ ڈھلتے ہیں
برستے ہیں جو خطرے دل پہ قدرت کی پھواروں سے

غفلت میں سب کے ہوش سموئے ہوئے سے ہیں
بیدار ہیں کچھ ایسے کہ سوتے ہوئے سے ہیں

یاں شکلِ رنگ و بو سے نہیں ایک دم فراغ
واں ہر نفس حضوریِ دل کا پیام ہے

شرح کیا کیجئے دلِ بیتاب کی
کھینچئے سیماب کی تصویر کیا

اپنے اس مجموعہ اوراق پہ اے گل نہ پھُول
نخل سے اک روز گرنا اور بکھر جانا بھی ہے

آنکھ میں اشکِ ندامت دل میں حیرانی کی آگ
یہ جہنم سے زیادہ ہے پشیمانی کی آگ
ایک پاداشِ عمل مجُرم کا پچھتانا بھی ہے

اک عالم خاموشی چھا جاتا ہے جنگل میں
سناٹا غزالوں کو آجاتا ہے جنگل میں

؎ غالب کہتے ہیں ۔ ہفت دوزخ در نہادِ شرمساری مضمر است

ٹپکی بزمِ فلک سے جو شبنم
آرسی بن کے پھول پر آئی

لوٹی پوٹی نسیم پھولوں میں
اور ہر سُو بکھر بکھر آئی

پہلے نماز کے لئے دامِ وضو بچھے
نیت کے ساتھ فرشِ نظر رُوبرو بچھے

پامالِ ناز ہونے کو ہر آرزو بچھے
رسمِ قلندری ہے مگر یہ کہ تُو بچھے

دل سے جگر میں اور جگر سے درونِ دل
ہر آنے جانے والے کی تو دیکھ بھال رکھ

گویا چل رہے ہیں ترے ہر قدم کے ساتھ
کچھ ایسی ملی جُلی ہوئی چال ڈھال رکھ!

آنسو ڈھلکا، ٹپ سے گرا، پھر جیسے وہ تو کچھ بھی نہ تھا
شعلہ بھڑکا، سرد ہوا، پھر جیسے وہ تو کچھ بھی نہ تھا

ایک پرندے کا سایہ، جو سطحِ زمیں پہ چلتا تھا
جب تک تھکے پرندہ بیٹھ گیا، پھر جیسے وہ تو کچھ بھی نہ تھا

اپنا علم ناقص ہے، ترکِ نقص بہتر ہے
جتنا خاک کو چھانا اتنا کر کرا پایا

گزر جاتی ہیں درسِ ناظرہ میں سینکڑوں عمریں
کسی سے عشق کا اک حرف ازبر ہو نہیں سکتا

نکلا تھا گھر سے منزلِ جاناں کو ڈھونڈتا
اب پھر رہا ہوں اپنا پتا پوچھتا ہوا

بلبل کے بال و پر بھی نہیں برگِ گل سے کم
یہ بھی ہے ایک پھول مگر بولتا ہوا

کبھی تو رنگ لے آئے گی اہلِ دل کی نقالی
ریا سے ہی سہی کچھ عشق کے آثار پیدا کر

ہم سے بے دیکھے رہا جائے نہ تم سے بے چھپے
اک طرف مجبور تم اور اک طرف مجبور ہم

مُغنی چاہیے آتشِ نفس نَے کے بجانے کو
بہت نغمے ہیں مستِ خواب اب تک نیستانوں میں

دل کو روک لگا کر دیکھا آخر کیا انجام ہوا
جان لبوں پر آئی ہوئی ہے، صبح نہیں یا شام نہیں

یُوں کیجیے زندگی کہ کسی کو خبر نہ ہو
یُوں جان دیجیے کہ کوئی نوحہ گر نہ ہو

وہ عقدہ کھولیے کہ ہو آزادگی نصیب
وہ نکتہ ڈھونڈیے کہ محلِ نظر نہ ہو!

خواہش ہے سلجھنے کی الجھتے رہے دن رات
آخر نہ کھلی کوئی گرہ تارِ نظر کی

تیرا دیدار نہ ہوتا تو نہ ہوتا، لیکن
ہم ترے دیکھنے والوں ہی کو دیکھا کرتے

خود بن کے نظر نکلے، وہ دیدۂ حیراں سے
خود درد لئے دل میں وہ برق کی چال آئے

ہے تو سہی نظر کو رُخ و زلف سے لگاؤ
اتنا مگر کہاں کہ نظارا کہیں جسے

زلفِ برہم کے مزے لیتے ہیں ہم ہر حال میں
ہم کو اُلجھانے سے مطلب ہے نہ سُلجھانے سے ہے

بہت چاہا کہ مل جائے کہیں سر رشتۂ ہستی
نہ اس کی ابتدا نکلی، نہ اس کی انتہا نکلی

اہلِ کرم ہمیشہ سائل کو ڈھونڈتے ہیں
اُن کے حضور کوئی بے مُدعا نہ جائے

نہ صرف لذتِ ذوقِ نگاہ بھول گئے
وہ آ بنی ہے کہ سب رسم و راہ بھول گئے

ہے جُدا آئینہ سے صیقلِ دل کی تدبیر
کہ شکستوں سے یہاں اور جِلا ہوتی ہے

یاد تازہ ہے گل و لالہ سے اُن کی لیکن
یہ بھی اوراق ہیں دو دن میں بکھرنے والے

خوشی ناخوشی دن گزر جائیں گے ؎ تری رہگذر ہی میں مر جائیں گے
بلا سے لگے داغ دریوزگی ؎ تجھے ڈھونڈنے در بدر جائینگے
شکایت نہیں کوچۂ یار کی ؎ یہی آسماں ہے جدھر جائیں گے
محبت کے دریا کا ساحل کہاں ؎ جو ڈوبیں گے وہ پار اتر جائینگے!

مکھ پر ڈارے گھونگٹ سجنی! سورج کو شرمائے ؎ آپ چھپے نینن کے جل میں مو کو آگ لگائے

ہر فغاں پر واہ واہ ہونے لگی ؎ پڑ گیا یوں شعر خوانی کا مزہ
کبھی تو رنگ لے آئے گی اہل دل کی نقالی ؎ ریا ہی سہی کچھ عشق کے آثار پیدا کر

دوسرا رخ :- زبان کیا ہے نفس کی اونچ نیچ اور اسکا پیچ وخم ؎ وگرنہ تھا جہان اسم وجسم اک کاکل برہم (صفحہ ۱۴۱)
مفہوم خاصہ گنجلک ہے، "جہانِ اسم وجسم" کیا بات ہوئی؟
نہ حسرت ہم نشیں کی حس کر، کہیں نہ رہ جائے قلب پس کر ؎ اچھوتا رکھا ہے دسترس سے خود اپنا عہد شباب تو نے (صفحہ ۵۲)
"حسرت کی حس کرنا" یہ کیا زبان ہے؟ مصرعۂ ثانی میں "دسترس" سے آخر کس کی "دسترس" مراد ہے؟
وہ صبر کا ان داتا، وہ شاہ شکیبائی ؎ وہ ہمدم خاموشی، وہ مونس تنہائی (صفحہ ۷۶)
یوں تو بول سکتے ہیں کہ وہ "صبر کا بادشاہ" اور "سکون کا خداوند" ہے۔ مگر "صبر کا ان داتا" کہنا درست نہیں!
پرچھائیوں میں بہتے ہیں دھارے گداز کے ؎ کیا خوشگوار آگ لگائے ہوئے ہو تم
دل میں سمٹ کے پھیل گئی جسم وجان پر ؎ دورانِ خوں میں برق گھلائے ہوئے ہو تم (صفحہ ۱۱۹)
اس قسم کے شعروں سے مفہوم تو کچھ نہ کچھ پیدا کیا جا سکتا ہے، مگر وجدان کس قدر ضیق اور گھٹن محسوس کرتا ہے۔
یا درد پیچ عشق ہے یا عشق پیچ درد ؎ اگلا ابل پڑا، کہیں پچھلا ابل پڑا (صفحہ ۱۲۷)

"شعریت" کا اس شعر میں دور دور پتا نہیں!
آنکھیں بھی ڈبڈبانے نہ پائیں ابھی لبیب ؎ کیا دیکھتا ہوں عشق کا سودا ابل پڑا
اول تو "سودے کا ابل پڑنا" ہی محلِ نظر ہے، پھر شعر میں اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ آنکھیں ڈبڈبانے سے پہلے عشق کا سودا آخر کس طرح ابل پڑا؟
بیعت دستِ سبو کی تھی کہ کافر رام ہو ؎ کفر بھی جو کچھ کیا سب جزوِ ایمان ہو گیا (صفحہ ۱۳۰)
اسے کہتے ہیں "المعنیٰ فی بطن الشاعر"! خدا جانے "دستِ سبو" سے کیا مراد ہے، اگر پیمانۂ شراب مراد ہے تو عاشق کے شراب پینے سے محبوب رام کیوں ہونے لگا! پھر "کفر وایمان" کی بحث یہاں غیر متعلق سی لگتی ہے۔
وہ بھی کیا دن تھے کہ خالی غیرت کاشانہ تھا ؎ شمع کی برہم تھی کاکل نزع میں پروانہ تھا (صفحہ ۱..)
اس قسم کے گنجلک اور مبہم اشعار اس کتاب میں خاصی تعداد میں پائے جاتے ہیں! "شمع کی کاکل" کتنی غریب اور [illegible] ترکیب ہے!!
وہ بلبل کر سکے پرواز کیوں کر اپنے گلشن تک ؎ جو اک آواز کے صدمے سے جانبر ہو نہ سکتا (صفحہ ۱۳۷)

کس کی آواز کا صدمہ؟ اس کی صراحت ضروری تھی! شاید خود باغبان، یا باغبان کی توپچن کی، یا شکاری کی بندوق کی گولی کی آواز " مراد ہو، مگر
اس میں بیحد مبالغہ پایا جاتا ہے

شرمِ حضور بزم میں بھی التفات سوز ∘ وہ ہم سے جان بوجھ کے انجان ہی رہا (صفحہ ۱۳۹)

مصرعِ ثانی جتنا سادہ اور رواں ہے، اتنا ہی پہلا مصرعہ پرتکلف اور پیچیدہ ہے!

غضب کی بے چینیاں ہیں پیدا ارادہ ہائے جنوں فزا میں ∘ کہ لغزشِ پائے نفس میں ہے بھرا ہوا اضطراب تیرا (صفحہ ۱۴۱)

"ارادہ" کی جمع "ارادہائے" نے ہی اول تو شعریت کا خون کر دیا، پھر "ارادوں میں بے چینیوں کا پیدا ہونا" اور " لغزشِ پائے نفس میں اضطراب کا بھرا ہونا" اس پر مستزاد!!

تری ایک ٹھوکر کا ارماں ہے باقی ∘ لڑھکتا ہوا میرا سر دیکھتا جا (صفحہ ۱۴۲)

مصرعِ ثانی، غزل کے ساتھ ایک طرح کا مذاق نہیں تو اور کیا ہے؟

ربابِ صوتِ سرمد چھیڑ دے تو پا ہے جس دھن میں ∘ لہو سے جھاگ اٹھا اور جو رگ میں سے تار پیدا کر (صفحہ ۱۵۱)

یہ کیا گورکھ دھندا ہے ؟؟؟

صورت ہی صورت ہے بے نام و نشاں کی آواز ∘ دل میں گھر کر جاتی ہے غارت گرِ جاں کی آواز (صفحہ ۱۵۵)

" آواز" کو "صورت ہی صورت" کہنا، شبِ لیلۃ القدر والی بات ہے۔ "بے نام و نشاں کی آواز" نے اس شعر کو "مجاز" کی جگہ حقیقت کا ترجمان بنا دیا۔ اس لئے "غارت گرِ جاں" بہت کچھ کھٹکتا ہے۔ حقیقت کی ترجمانی میں بھی "غارت گرِ جاں" آ سکتا ہے مگر اس کے لئے کوئی قرینہ چاہیئے۔

آنکھوں میں نما ہائے دل، دل میں جہانِ آرزو ∘ حلق کا کانٹا بن گئیں، ان کی گراں نیوشیاں (صفحہ ۱۷۳)

"حلق کا کانٹا بن گئیں" سن کر اور پڑھ کر، وجدان کس قدر اذیت محسوس کرتا ہے ـــــ توبہ!!

[illegible] ہوں تو نے عشق میں دل کو لئے ہوئے ∘ وہ درت ہے مجھ میں اور مرے ہمرکاب ہیں (صفحہ ۱۸۵)

شاعری کیا ہے، لفظوں کی نری جوڑ جاڑ ہے!

ذرا آ ہے وفا کا تو مری آنکھوں سے ∘ دل نکلتا ہے لئے اشکِ پشیمانی کو (صفحہ ۱۹۲)

"آنکھوں سے دل کا نکلنا" ـــــ مضحکہ خیز اندازِ بیان ہے۔

نار کی طرح حلق ہی میں رہی ∘ آہ بھی ایسی بے اثر آئی (صفحہ ۲۰۰)

غزل کا شعر اور اس قدر بے مزہ اور کرخت!

پھول کھلے ہوئے سے ہیں ان کے شہید ناز کے ∘ عاشقِ باوفا تو ہے بندۂ بے ادب سہی (صفحہ ۲۰۵)

شعر مبہم نہیں مہمل ہے!!

دل پھیرنا سہی، مگر آنکھیں نہ پھیرنا ∘ تم ہم کو دیکھتے رہو، ہم تم کو دیکھتے (صفحہ ۲۱۹)

" ہم تم کو دیکھتے رہیں" کہنا چاہیئے تھا۔ پھر "دل پھیرنا سہی" عجیب طرزِ ادا ہے۔

ہر چند تڑپنا ہے اذیت کی نشانی ∘ بسمل کو بہرحال تڑپنے میں مزا ہے (صفحہ ۲۲۱)

"اذیت کی نشانی" مصرعہ اولیٰ میں جو نظم کیا گیا ہے تو ممکن ہے یہ شعر لبیب صاحب کی تو مشقی کے زمانہ کا ہو۔

(صفحہ ۲۲۶)

وہ بت ہی کیا کہ حسن سراپا کہیں جسے ÷ بت وہ کہ اپنی آن کا پورا کہیں جسے

"حسن سراپا" کو آخر بت کیوں نہیں کہہ سکتے؟ جو خیال ذہن میں آیا جھٹ سے نظم کر دیا!!

(صفحہ ۲۲۸)

شکوۂ محبت پر تم نہ یوں خفا ہوتے ÷ آج بھی وہی ہیں ہم، تم ہی تو ذرا ہوتے

مصرعہ ثانی بچکانہ ہے۔

(صفحہ ۲۳۰)

نہ سنے فسانے کوئی تو کیا! مرے دل کے حال تباہ کے ÷ کہ اسیر سر پہ سے ہوئے ہے نقوش نالہ و آہ کے

دم جلوہ سجدوں سے اڑ رہے تھے پرخچے قرش نگاہ کے ÷ کہ ہزار پردے پڑے ہوئے تھے دلوں پہ زلفِ سیاہ کے

نرا اہمال ہی اہمال ——!!!

(صفحہ ۲۳۱)

مثال موج ساقی جانبِ میخانہ آتا ہے ÷ وہ اشکِ شمع لیکر پیکرِ پروانہ آتا ہے

ساقی سے کون مراد ہے؟ یہ "پیکر پروانہ" کیا ترکیب ہے؟ پھر پیکر پروانہ "اشکِ شمع" لیکر کیسے آتا ہے؟ یہ کیا آخر چیستاں کیا ہے؟ اس غزل کے کئی شعر اسی "صنعت اہمال" میں کہے گئے ہیں۔

(صفحہ ۲۳۳)

طلسم زندگی میں ہر اسیر عادت و آئین ÷ سنبھالے اپنی زنجیروں کو آزادانہ آتا ہے

"اسیر عادت و آئین" کی ترکیب کس قدر غیر شاعرانہ ہے! دوسرا مصرعہ بہت خوب ہے!

(صفحہ ۲۳۷)

آیا نہ بزم میں بھی نظر آشنا مجھے ÷ ڈھانکے ہوئے نہ ہو کہیں دستِ دعا مجھے

کچھ نہیں کھلتا کہ شاعر آخر کہنا کیا چاہتا ہے؟

(صفحہ ۲۴۸)

دردِ دل بڑھ کے حریف غم پنہاں ہوجائے ÷ دھار دریائے نواکی رہ جاناں ہوجائے

"دریائے نواکی دھار" —— توبہ! یوں بھی شعر اَنمل بے جوڑ سا ہے۔

(صفحہ ۲۵۰)

وہ بھی کیا دن تھے کہ جلوؤں کیلئے بیتاب تھے ÷ اب مرے جاتے ہیں حالِ دل سنانے کے لئے

دونوں مصرعوں میں کوئی ربط نہیں!

(صفحہ ۲۵۱)

یہی دل کا دھواں جو نردبانِ عرش و کرسی ہے ÷ کہیں کترو بیوں کے وعظ کا منبر نہ بن جائے

—— اور ——

(صفحہ ۲۵۲)

فروغ روح آدم لطفِ پنہاں ہونیوالا ہے ÷ شکارِ بسملانِ خویش یزداں ہونے والا ہے

اس قسم کے بے معنیٰ اشعار شاعر کا "بڑا تعارف" ہیں!

(صفحہ ۲۹۶)

رُخِ پرنور سے جس دم نقاب فہم و وہم اٹھی ÷ نظر آنے لگا میں آپ اپنا داورِ عالم

وہی "صنعتِ اہمال" کی تکرار!!

(صفحہ ۳۰۰)

کسی کو وہ خلوت میں آنے نہ دیں گے ÷ جو آجائے پھر اس کو جانے نہ دیں گے

یہ شعر اگر "مجاز" نہیں حقیقت کا ہے، تو بھی واقعیت کے اعتبار سے غلط ہے اور "مجاز" میں ہے، تو اس سے محبوب کی تنہائی بوالہوسی کا اظہار ہوتا ہے۔

"آتش خنداں" کے مرتب کو یہ چاہیئے تھا کہ وہ شاعر کے کلام پر سختی کے ساتھ ناقدانہ نظر ڈالتے، اور بھرتی کے شعر نکال دیتے مگر —— انھوں نے انتخاب کی مرے سے زحمت ہی گوارا نہیں کی، اور مسودوں میں جو بھی لکھا ہوا مل گیا، اسے چھاپ دیا۔

دردِ سر درد سرے ہر قسم کے درد اور
نزلہ و بخار کیلئے
انالجاین ٹکیاں
ہر قسم کی کھانسی
سے فوری نجات کیلئے
کفسول شربت
صحت اور توانائی کیلئے
فروٹ سیلائن
لیکسال
ایبل لیبارٹریز لمیٹڈ۔ کراچی

اشرف میڈیکل ہال
کی تیار کردہ موثر اور بے ضرر ادویات کے ذریعے نوع انسانی کی جو خدمت انجام دی جارہی ہے
اس سے ملک کا سنجیدہ اور سمجھدار طبقہ بخوبی واقف ہے
اس عظیم طبی ادارہ ___ کا ___ شعبۂ تشخیص و تجویز
جو ماہرین فن اور تجربہ کار اطباء پر مشتمل ہے مایوس العلاج مریضوں کے پیچیدہ امراض
بالخصوص جنسی شکایات کے استیصال میں ایک منفرد اور ممتاز مقام حاصل کر چکا ہے
اس شعبہ کے اصولی طریق علاج سے ہزاروں پریشان حال
اور زندگی سے بیزار مریض صحت و توانائی سے بھرپور
مسرت بخش زندگی کی نعمت سے بہرہ ور ہو چکے ہیں
اس شعبہ میں باہر کے مریضوں کی تمام خط و کتابت پر انتہائی رازداری کے ساتھ عمل کیا جاتا ہے یہی
وجہ ہے کہ ملک کے گوشہ گوشہ سے دکھی انسان بذریعہ ڈاک اپنے دکھوں کے ازالہ کے لئے ہر قسم کا
طبی مشورہ مفت حاصل کرنے کیلئے
شعبۂ تشخیص و تجویز ___ اشرف میڈیکل ہال لائل پور (پاکستان)
ماڈل ٹاؤن بی - لائل پور
پر اعتماد و یقین کرتے ہیں!
(پاک)
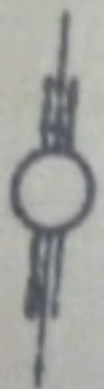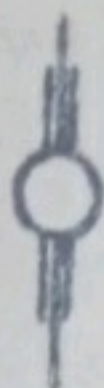
وعی الاصلاح

عربی اسلامی اصلاحی ماہنامہ

زیر ادارت : عبدالمجید اصلاحی

۱:۔ عربی زبان عالم اسلامی کی فکری زبان ہے۔
۲:۔ عالم اسلام ٹھوس فکری بنیادوں پر اصلاح و عمل کے لئے بیدار ہو چکا ہے
۳:۔ عربی زبان دینی و فکری روابط کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔
۴:۔ ہندوستان کے اسلامی مدارس میں نہ صرف عربی زبان وادب کا اعلیٰ معیاری ذوق برباد ہو چکا ہے بلکہ اس سے بیزاری کا بھی رجحان پیدا ہو چکا ہے۔

وعی الاصلاح کے اجرا کا فیصلہ اسی لئے کیا گیا ہے کہ ہندوستانی علماء کے نتائج فکر کا اسلامی دنیا کی فکری و اصلاحی قوتوں میں اضافہ کیا جائے اسے اپنی دینی و فکری روابط کا ذریعہ بنایا جائے اور اس سے نہ صرف عربی زبان وادب کی اعلیٰ و معیاری تعلیم کی طرف دعوت دی جائے بلکہ اس سے بیزاری اور مایوسی کو بھی ختم کیا جائے۔

ان اغراض و مقاصد کے تحت وعی الاصلاح منصہ شہود پر آگیا ہے
مستقل لکھنے والے : استاذ امام عبدالحمید فراہی، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا ابواللیث اصلاحی، مولانا بدرالدین اصلاحی، مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا جلیل احسن ندوی، مولانا صدرالدین اصلاحی، مولانا داؤد اکبر اصلاحی، مولانا محمد ایوب اصلاحی، مولانا محمد حسنی ندوی، مولانا نظام الدین اصلاحی، مولانا محمد یوسف اصلاحی، مولانا عبدالمجید اصلاحی۔

صفحات ۳۲ سائز ۲۰ × ۳۰

سالانہ چندہ ہندوپاک : پانچ روپے
" " غیر ممالک سے : سات روپے
بذریعہ ہوائی ڈاک غیر ممالک سے : بیس روپے

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ :۔

منیجر ماہنامہ میثاق رحمانپورہ اچھرہ لاہور

الہیئۃ الاصلاحیۃ
معید بلڈنگ جھوائی ٹولہ لکھنؤ

ہندو پاک کے مشہور اخبار نویس مسٹر اردو بوان ... مشہور ناول ... ناقابل فراموش کا دوسرا ... آج ہی

ہفت روزہ اقدام لاہور

... جاری کر دیں یہ نہایت دلچسپ سلسلہ ... ہفت روزہ اقدام کے صفحات پر شائع ہوتا ہے

[illegible]

... ہر اتوار صبح کو شائع ہوتا ہے

مستقل خریداری کیلئے آج ہی رجوع کریں

قیمت

[illegible]